انشاے غالب

مرتب
رشید حسن خاں

ادارۂ یادگارغالب کراچی

PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081

پی ڈی ایف (PDF) کتب حاصل کرنے اور واٹس ایپ گروپ «کتاب کارنر»
میں شمولیت کے لیے مندرجہ بالا نمبرز کے واٹس ایپ پہ رابطہ کیجیے۔ شکریہ

انشاے غالب

مرتّب

رشید حسن خاں

ادارۂ یادگارِ غالب
کراچی

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ یادگار غالب
شمارہ : ۳۱

نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ

پہلا پاکستانی ایڈیشن	:	۲۰۰۱ء
طابع	:	احمد برادرز، ناظم آباد، کراچی
تعداد	:	پانچ سو
قیمت	:	ایک سو پچاس روپے

☆

ادارۂ یادگار غالب
پوسٹ بکس نمبر: ۲۲۶۸
ناظم آباد کراچی ۷۴۶۰۰

غالب لائبریری
دوسری چورنگی، ناظم آباد
کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست

عرض مرتب		۵
مقدمہ	مالک رام	۵۱
متن انشاے غالب	ڈاکٹر عبدالستار صدیقی	۶۳
حواشی	ڈاکٹر عبدالستار صدیقی	۹۵
حواشی	مالک رام	۱۲۹
غالب کے مرتبہ خطی نسخے کا عکس		۱۴۷

عرضِ مرتّب

رشید حسن خاں

عرضِ مرتب

مرزا غالب کے کلامِ نظم و نثر پر مشتمل یہ ایک مختصر سی کتاب ہے، جسے "انشاے غالب" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ انتخابی مجموعہ کئی لحاظ سے توجہ طلب ہے۔ اس کی ایک اہمیت تو یہ ہے کہ یہ خود مرزا غالب کا مرتب کیا ہوا ہے۔ یہ اہمیت بھی ہے کہ زمانی ترتیب کے لحاظ سے "یہ خطوط غالب کا سب سے پہلا مجموعہ ہے" (۱) اور یہ بھی کہ کلامِ غالب کے بعض اجزا کے لیے اس کی حیثیت واحد ماخذ کی، یا پھر اولین ماخذ کی ہے (۲)۔ مرزا صاحب نے اس انتخابی مجموعے کی تمہیدی عبارت میں لکھا ہے:

> "یہ کتاب جو دو باب کی ہے، حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب میں دو دیباچے اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں۔ اگر میرے لکھے ہوئے نہ ہوتے تو میں کہتا کہ بہت خوب ہیں۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اسی خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائے، اُن اشعار میں سے شعر محل و مقام کے مناسب درج کیا جائے"۔

یہ تو ہوئی حقیقت اس کتاب کی۔ اس کی وجہ ترتیب کیا تھی؟ اس سلسلے میں ڈاکٹر مولوی ضیاء الدین خاں دہلوی کا نام سامنے آتا ہے، جو مرزا غالب کے ہم عصر تھے، جنھوں نے "انشاے اردو" کے نام سے ایک مجموعہ حکومت کے ایما پر مرتب کیا تھا؛ مرزا غالب کا زیرِ بحث انتخابی مجموعہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مولوی صاحب کا مرتب کیا ہوا مجموعہ میں نے نہیں دیکھا، مالک رام

صاحب نے دیکھا تھا، میں انھی کی متعلقہ عبارت کے ضروری اجزا کو نقل کرتا ہوں:

''۱۸۶۶ء میں حکومت کی طرف سے مولوی ضیاء الدین خاں کو ایما ہوا کہ وہ اُردو کا ایسا نصاب مرتب کریں جو نودار فوجی افسروں کو اُردو پڑھانے کے لیے موزوں ہو۔ اِس پر اُنھوں نے مختلف نثر نگاروں کی تحریروں سے مضامین منتخب کیے اور غالب سے درخواست کی کہ وہ اپنے چند خطوط اور کچھ نثر عنایت کریں کہ اُنھیں مجوزہ نصاب میں شامل کیا جاسکے۔ اس پر غالب نے یہ زیر نظر مجموعہ (انشائے غالب) مرتب کیا --- اُنھوں نے یہ کتابچہ کاتب سے خوش خط لکھوایا اور نظر ثانی کے بعد اُسے مولوی ضیاء الدین خاں کے حوالے کردیا --- یہی غالب کا مرسلہ خطی نسخہ مولوی ضیاء الدین خاں نے اپنی ''انشاء اردو'' کے لیے مسودے کے طور پر استعمال کیا تھا اور اسی سے کاتب نے کتابت کی تھی --- مولوی صاحب موصوف نے خطوں کی عبارت میں حسب منشا تبدیلی کرلی تھی۔ بعض الفاظ کاٹ دیے، کچھ بدل ڈالے، بعض جگہ سطروں کی سطریں خارج کردیں''۔

وجہ تالیف کے سلسلے میں مالک رام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی ضیاء الدین خاں کی فرمائش کے نتیجے میں غالب نے اس انتخاب کو مرتب کیا تھا۔ میں یہ بات پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ مولوی صاحب کی مرتب کی ہوئی نصابی کتاب ''انشائے اُردو'' میں نے نہیں دیکھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ مولوی صاحب نے اُس کے دیباچے میں اِس سلسلے میں کیا لکھا ہے۔ اگر وہاں کچھ مرقوم نہیں، تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ اس سلسلے میں محولۂ بالا عبارت میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ کہاں سے ماخوذ ہے؟ (۳)

سب سے بڑھ کر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ مولوی صاحب نے اگر مرزا صاحب سے

محض نثر کی فرمائش کی تھی، تو پھر مرزا صاحب نے یہ طریقہ کیوں اختیار کیا کہ نثر اور نظم دونوں پر مشتمل باقاعدہ ایک کتاب مرتب کی، اس پر مقدمہ لکھا، اور مقدمے میں یہ بھی لکھا:

> ''یہ مجموعہ نذر اس جناب رفعت مآب کی ہے جس سے عزت و توقیر فائنشل کمشنری پنجاب کی ۔۔۔ حضرت فلک رفعت مکلوڈ صاحب بہادر۔''

یہی نہیں، یہ بھی لکھا:

> ''پس یہ کتاب اگر اُن کے حکم سے چھاپی جائے گی تو صاحبان تازہ وارد ولایت کے پڑھنے کے کام آئے گی''۔

اس کے بعد اپنے چچا کی ''سرداری اور ریاست'' کا کچھ حال لکھا اور پھر اس خواہش کا اظہار کیا:

> ''البتہ میں اس کا مستحق ہوں کہ کونسل پوئٹ گنا جاؤں''۔

مرزا صاحب نے اس کے لیے لفظ ''مجموعہ'' اور پھر لفظ ''کتاب'' استعمال کیا ہے۔ مرزا صاحب کے مقدمے کی عبارت کو پڑھ کر ناگزیر طور پر یہ خیال ذہن میں آتا ہے کہ مرزا صاحب نے اصلاً ایک باقاعدہ ''نصابی مجموعہ'' مرتب کیا ہے، جسے پنجاب کے فائنشل کمشنر کے نام معنون کیا تھا (۴)۔ اس کا امکان ہے کہ اُن کو کسی ذریعے سے یہ معلوم ہوا ہو حکومت وقت تو وارد انگریز افسروں کے لیے ایک نصابی مجموعہ مرتب کرانا چاہتی ہے۔ انھوں نے اِسے ''مدعا برآری'' کا ایک اچھا وسیلہ سمجھا ہو اور اس خیال کے تحت اس کتاب کو مرتب کیا ہو۔

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے نام ایک خط میں 'سعی' کی تشریح کے سلسلے میں ضمنی طور پر اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، اُس سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ صدیقی صاحب کے خط کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

> ''میرے پاس ایک اور قلمی چیز ہے۔ غالب کو خیال ہوا کہ

''صاحبانِ تازہ واردِ ولایت کے پڑھنے'' کے لیے ایک اُردو کتاب بنائیں۔ چنانچہ اپنے لکھے ہوئے دو دیباچے اور کئی رقعے کاتب سے نقل کروائے۔ شروع میں اس کتاب کا خطبہ لکھ کر لگایا۔۔۔ اس کا جو نسخہ میرے پاس ہے، اُس میں تقریباً ہر رقعے کی ابتدائی سطروں کے مقابل حاشیے پر ''نوشتہ شد'' اور لال روشنائی سے ''مقابلہ نمودہ شد'' لکھا ہوا ہے۔ کہیں کہیں کوئی عبارت قلم زد کی گئی ہے، کہیں کوئی لفظ۔ دو رقعے سراسر کاٹ دیے گئے۔۔۔ اِس کتاب میں جہاں کہیں حک اور اصلاح ہوئی ہے، مرزا غالب کے قلم سے معلوم ہوتی ہے۔ اصلاح کے جو لفظ کہیں کہیں آئے ہیں، انھیں کے خط میں ہیں۔۔۔''

(مکتوب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، نوشتۂ ۸ ستمبر ۱۹۴۳ء۔ مشمولۂ مجلۂ نقوش لاہور، خطوط نمبر، جلد سوم، ص ۲۵)۔

یعنی غالب نے ''صاحبانِ تازہ واردِ ولایت'' کے لیے ایک باقاعدہ نصابی ''کتاب'' مرتب کی تھی۔۔۔ میری رائے میں یہی بات مرجح حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ مولوی ضیاء الدین خاں نے اپنی کتاب ''انشائے اردو'' میں غالب کی جو نثر شامل کی، وہ مرزا صاحب کی اِسی ''کتاب'' سے ماخوذ تھی۔ یہ بھی طے شدہ ہے کہ یہ ''کتاب'' اُن کے پاس تھی اور انھوں نے اِسی کو کتابت کے لیے کاتب کے حوالے کر دیا تھا۔ کاتب نے اسی نسخے پر ''نوشتہ شد'' لکھا ہے اور کاتب ہی نے یا مصحح نے ''مقابلہ کردہ شد'' کے الفاظ لکھے ہیں۔ مکمل کتاب مولوی صاحب کے پاس کس طرح پہنچی؟ اس کا امکان ہے کہ مولوی صاحب نے مرزا صاحب سے اجزائے نثر کی فرمایش کی ہو، اس صراحت کے ساتھ کہ اُن کو ایک نصابی مجموعے میں شامل کرنا ہے۔ مرزا صاحب نے کچھ اور خیال کیا ہو اور ایک پوری ''کتاب'' مرتب کر کے بھیج دی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مرزا صاحب نے بہ طور خود یہ مجموعہ مرتب کیا ہو اور جب ان کو صحیح صورت حال کا علم

ہوا ہو، تو مولوی صاحب کی فرمایش کے سلسلے میں اُس مجموعے کو اُن کے پاس بھیج دیا ہو کہ وہ خود انتخاب کرلیں۔ بہ ہر طور، یہ سب قیاسات ہیں۔ جو معلومات سامنے ہے، اُس کی روشنی میں فی الوقت قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مرزا صاحب کا مرتب کیا ہوا وہ مجموعہ مولوی صاحب ہی کے پاس محفوظ رہا (یعنی نہ مولوی صاحب نے از خود اُسے واپس کیا اور نہ مرزا صاحب نے تقاضا کیا)۔ مولوی صاحب کے انتقال کے بعد، جب اُن کی کتابیں سید سجاد صاحب دہلوی کے توسط سے (جو اُن دنوں حیدرآباد میں تھے) بہ غرض فروخت حیدرآباد آنے لگیں، یہ مجموعہ بھی اُن کے کتاب خانے کی بہت سی دوسری کتابوں کے ساتھ حیدرآباد پہنچ گیا۔ آخر کار ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اُسے خرید لیا (اِس کی تفصیل آگے آتی ہے)۔

یہاں تک بیان ہوا کتاب کی حقیقت کا، اور وجہِ ترتیب سے متعلق قیاسی تفصیلات کا۔ اس مجموعے سے متعلق دو باتوں کا بیان ابھی باقی ہے۔ ایک تو یہ کہ اُس مجموعے کے خطی نسخے کا احوال کیا ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ خطی نسخہ دہلی سے حیدرآباد کس طرح پہنچا۔ اِن دونوں باتوں کے ضروری متعلقات کو لکھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ پہلے اُس انتخابی مجموعے کی مختلف اشاعتوں کی تفصیل لکھی جائے۔ یہ یوں ضروری ہے کہ مختلف اشاعتوں کی ضروری تفصیل کے بغیر اُن دونوں باتوں سے متعلق بعض تفصیلات مربوط طور پر معرضِ بیان میں نہیں آپائیں گی۔

زیرِ نظر اشاعت (ادارۂ یادگارِ غالب، کراچی، ۲۰۰۱ء) سے پہلے یہ انتخابی مجموعہ چار بار چھپ چکا ہے۔ سب سے پہلے یہ ''انتخاب غالب'' کے نام سے ''بہ تحشیہ و مقدمہ از محمد عبدالرزاق ایچ سی ایس، مددگار محاسب سرکارِ عالی حکومت آصفیہ'' چشتیہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن میں چھپا تھا۔ سالِ طبع: ۱۳۴۵ھ/ ۲۷-۱۹۲۶ء۔ یہ نسخہ پیشِ نظر ہے (اِس سے متعلق تفصیلات آگے آرہی ہیں)۔ دوسری بار یہ اِسی نام سے ''اقبال اکیڈی، ظفر منزل، تاج پورہ، لاہور'' کی طرف سے شائع ہوا۔ اس پر سنہ اشاعت درج نہیں، لیکن اقبال اکیڈمی کے سکریٹری ''سید محمد شاہ۔ ایم اے'' نے اِس اشاعت سے متعلق دو صفحے کا پیش لفظ لکھا ہے، جس کا عنوان ہے: ''ناشرین کی طرف سے'' اُس

کے آخر میں ''۲۵ دسمبر ۴۳ء'' درج ہے۔ اس سے یہ ظاہر یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ یہ ۱۹۴۴ء کی شروع کی تاریخوں میں شائع ہوا ہوگا۔ سید محمد شاہ کے پیش لفظ کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ اِسے عبدالرزاق صاحب کی اجازت سے شائع کیا گیا۔ یہ نسخہ پیش نظر ہے۔

تیسری بار اِسے ''انتخاب رقعات و اشعارِ غالب'' کے نام سے کالی داس گپتا رضا صاحب نے بمبئی سے شائع کیا۔ اس پر تاریخ اشاعت ۱۵ رفروری ۱۹۹۲ء درج ہے۔ رضا صاحب نے اپنے پیش لفظ میں، جس کا عنوان ہے: ''کچھ اس نسخے کے بارے میں'' لکھا ہے کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے جب اِسے خود چھاپنے کا ارادہ کیا تو:

> ''اُن کے ذہن میں یہی ہوگا کہ اس مخطوطے کے صفحات کے عکس بھی چھاپ دیے جائیں۔ چناں چہ اُن کی نظر انتخاب رائٹرز امپوریم (۵)۔۔۔ پر پڑی اور ڈاک میں یا کسی کے ہاتھ مخطوطہ بھیج دیا۔ پھر شاید معاملات طے نہ ہو سکے یا کیا ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے مخطوطہ واپس منگالیا۔ مگر اس اثنا میں مخطوطے کے نگیٹو بن چکے تھے، اب اُن اخراجات کا ذمے دار کون ہو؟ سید جمیل الدین بغدادی مرحوم نے ۔۔۔ اخراجات ادا کر کے نگیٹو حاصل کر لیے۔ اس سے پیشتر جمیل صاحب مخطوطے کی طباعت کے سلسلے میں اُس کی ہو بہو نقل اپنے قلم سے تیار کر چکے تھے، وہ بھی اُنھی کے پاس رہ گئی۔ مخطوطے کی ہو بہو ایک اور نقل کسی اور کے قلم سے بھی اُن کے پاس تھی، یہ نہ جانے کس نے تیار کی تھی ۔۔۔ تمام کوائف مجھ سے خود جمیل صاحب نے بیان فرمائے تھے۔ ۱۹۷۳ء میں جب میں نے ۳۵۴ کتابوں اور رسالوں پر مشتمل ذخیرۂ غالبیات جمیل صاحب سے حاصل کر لیا تو اُنھی میں یہ تین نسخے بھی شامل تھے، جو اب نذرِ احباب ہیں''۔
>
> (انتخاب رقعات و اشعارِ غالب، ص ۶)

رضا صاحب نے اپنے مرتبہ نسخے میں مخطوطے کا عکس بھی شامل کر دیا ہے، مگر بیش تر صفحات کے عکس سیاہی زدہ ہیں۔ عکس کے ساتھ جمیل صاحب کے ہاتھ کا نقل کیا ہوا متن بھی عکسی صورت میں شامل کیا ہے جو لفظاً لفظاً اصل خطی نسخے کے مطابق ہے۔ انتخاب غالب میں شامل مالک رام صاحب اور صدیقی صاحب کے حواشی کو اگر بہ طورِ تقابل پیش نظر رکھا جائے تو بلا تکلف یہ کہا جاسکتا ہے کہ سلسلۂ غالبیات کا رضا صاحب کا یہ کام معمولی درجے کا ہے۔

یہ انتخابی مجموعہ چوتھی بار اکتوبر ۱۹۹۴ء میں ''انشائے غالب'' کے نام سے مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے شائع ہوا مرتبہ راقم الحروف۔ اِس اشاعت کے سلسلے کی بعض تفصیلات کا پیش کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اُن کے بیان میں آئے بغیر کئی باتیں واضح نہیں ہو پائیں گی۔ ''عرض مرتب'' میں مجھ سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی تھی کہ ایک ''داستانی روایت'' کو میں نے قابل قبول مان لیا تھا: اُس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ اِن ضروری وضاحتوں کی وجہ سے اس بیان کا طویل ہونا بھی گویا لازم ٹھہرے گا۔

غالبیات سے دل چسپی رکھنے والے حضرات کے علم میں یہ بات تھی کہ ۱۳۲۵ھ میں حیدر آباد سے جو مجموعہ ''انتخاب غالب'' کے نام سے چھپا تھا (جس کا حوالہ اوپر آچکا ہے) اُس کا اصل خطی نسخہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس تھا۔ وہ اُسے مرتب کر کے شائع کرنا چاہتے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ اُسے چھپوانے کی فکر کرتے رہے، لیکن چھپوا نہیں سکے۔ وہ دوسروں کی فرمایشیں جس مستعدی کے ساتھ پوری کیا کرتے تھے، اپنا کام اُس طرح نہیں کر پاتے تھے۔ پھر معیار کا ایک مثالی تصور اُن کے ذہن میں رہتا تھا اور اس میں تدوین کے ساتھ ساتھ کتابت، کاغذ اور طباعت کے متعلقات بھی شامل رہتے تھے؛ یوں اُن کے کام ان کے حسب منشا سرانجام کو نہیں پہنچ پاتے تھے۔

میں جس زمانے میں اُتر پردیش اُردو اکیڈمی کی پبلی کیشن کمیٹی کا ممبر تھا، یہ خیال آیا کہ مرحوم کے مقالات کو چھپنا چاہیے۔ مرحوم کو میں اپنا معنوی اُستاد مانتا ہوں۔ املا کے موضوع پر میں

نے ایک شاگرد کی طرح خطوں کے توسط سے اُن سے استفادہ کیا تھا (اِس کی ضروری تفصیل میری کتاب ''اُردو املا'' کے مقدمے میں دیکھی جاسکتی ہے)۔پیہم درخواستوں اور بے حد اصرار پر مرحوم کے صاحب زادے مسلم صدیقی (مرحوم) نے کچھ مضامین کو مرتب کر دیا اور اس طرح ۱۹۸۳ء میں مقالاتِ صدیقی کی پہلی جلد شائع ہوئی، جس میں املا اور تحقیق الفاظ سے متعلق اٹھارہ اہم مضامین شامل ہیں۔ دو جلدوں کے بہ قدر مضامین بچ رہے۔ میں نے اپنی سی کوشش بہت کی، لیکن بقیہ مضامین کو مرتب نہیں کرا سکا، اِس کا افسوس مجھے ہمیشہ رہے گا۔

میں نے مسلم مرحوم کو بار ہا لکھا کہ مضامین نہ سہی، ''انشاے عاب'' کو تو چھپوا دیں؛ مگر آہستہ روی میں وہ فرزند خلف ہیں۔ اُنھوں نے ضروری خطوں کا جواب دینے میں کئی سال لگا دیے۔ بالآخر پچھلے سال (۱۹۹۳ء میں) اُس مجموعے سے متعلق کاغذوں کا ایک پیکٹ میرے پاس بھیج دیا کہ اب آپ اِسے جس طرح چاہیں، چھپوائیں۔ اُس پیکٹ میں متن کے کتابت شدہ اجزا بھی تھے اور ''انشاے غالب'' کا اصل خطی نسخہ بھی تھا۔

میرے پاس جو کاغذ مسلم صاحب نے بھیجے تھے، اُن میں قابلِ ذکر چیزیں یہ تھیں۔ ا۔ انشاے غالب کا اصلی خطی نسخہ۔ ۲۔ موی کاغذ پر اِس خطی نسخے کی مکمل کتابت، جو اصل نسخے کے مطابق ہے؛ یعنی خطی نسخے میں جس لفظ کو جس طرح لکھا گیا ہے، اُسے اُسی طرح نقل کیا گیا ہے۔ جن عبارتوں پر خط کھنچا ہوا ہے، انھیں بھی اصل کے مطابق رکھا گیا ہے۔ اصل نسخے میں صفحہ جس لفظ پر ختم ہوا ہے، کتابت میں بھی صفحہ اُسی لفظ پر ختم ہوا ہے۔ یعنی صفحہ بہ صفحہ یہ کتابت اصلی خطی نسخے کے مطابق ہے۔ جو لفظ مخطوطے میں بین السطور لکھے ہوئے ہیں، اُن کی کتابت اُسی طرح کرائی گئی ہے۔ یہ حوالہ اوپر آچکا ہے کہ مخطوطے کی یہ کتابت (جو بالکل اصل کے مطابق ہے) صدیقی صاحب نے الہ آباد میں اپنی نگرانی میں کرائی تھی۔ متن کی یہ کتابت خاصی پرانی ہو چکی تھی، مگر مکتبہ جامعہ کے شاہد علی خاں صاحب نے یقین دلایا تھا کہ چھپائی میں کسی طرح کی خرابی پیدا نہیں ہوگی۔ جب ۱۹۹۴ء میں یہ مجموعہ چھپ کر آیا، تو معلوم ہوا کہ شاہد صاحب کی رائے درست تھی، چھپائی میں

کسی طرح کی خرابی نہیں پیدا ہوئی۔ ۳۔ کتابت شدہ متن کے ساتھ تین کتابت شدہ اجزا اور تھے۔ (الف) مالک رام صاحب کا لکھا ہوا مقدمہ (ب) اُنھی کے لکھے ہوئے حواشی (ج) صدیقی صاحب کے لکھے ہوئے حواشی۔ اِن سب اجزا کی کتابت مومی کاغذ پر ہوئی ہے۔ اِن اجزا کو دیکھ کر واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اِن کی کتابت بعد کو کرائی گئی ہے: یعنی یہ کتابت مسلم صدیقی مرحوم کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ اِن تینوں کتابت شدہ اجزا کے اصل مسودے بھی ساتھ ہی ہیں۔

اِن کاغذوں کے ساتھ مالک رام صاحب کے کئی خط بھی ہیں جو انھی کاغذوں سے متعلق ہیں اور مسلم صدیقی صاحب کے نام ہیں۔ سب سے پرانا خط ۱۱/ جون ۱۹۷۱ء کا ہے، اِس کا آغاز اِس طرح ہوتا ہے:

"۱۴/ جون کے گرامی نامے کا شکریہ قبول فرمایئے۔۔۔۔

قبلۂ ڈاکٹر صاحب کے نسیان پر جتنا افسوس کیا جائے، کم ہے۔۔۔۔۔

انشائے غالب مدت سے میرے علم میں ہے اور خود انھیں نے مجھ سے فرمایا تھا کہ میں جلد ہی اسے مرتب کر کے شائع کر دوں گا۔۔۔ میں ضرور اس پر مقدمہ لکھوں گا۔ یہ نہ صرف میرے لیے باعثِ مسرت ہوگا بلکہ باعثِ فخر بھی؛ لیکن اِس میں کچھ وقت لگ جائے گا"۔

یہ معلوم ہے کہ آخر عمر میں انتقال سے تین چار برس پہلے صدیقی صاحب کا "حافظہ بالکل جواب دے گیا تھا، بلکہ ہوش و حواس بھی متاثر ہو گئے تھے"۔ انھی دنوں میں مسلم صاحب نے مقدمہ لکھنے کے لیے کہا ہوگا۔ ۱۷/ مئی ۱۹۷۲ء کے خط میں مالک رام صاحب نے مطلع کیا ہے کہ مقدمہ مکمل ہو چکا۔ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۷۲ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ "کوئی دو ہفتے ہوئے کہ میں نے انشائے غالب کا مقدمہ رجسٹری سے بھیجا تھا"۔ یکم دسمبر ۱۹۷۲ء کے خط سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حواشی بھی بھیج دیے گئے ہیں۔ یعنی مالک رام صاحب کا مقدمہ اور حواشی، دونوں چیزیں اواخر ۱۹۷۲ء تک مسلم صدیقی صاحب کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ مالک رام صاحب کے ایک اور خط سے

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اصل خطی نسخے کا عکس اُن کے پاس تھا اور حواشی اُسی کی مدد سے لکھے گئے تھے۔

مسلم صدیقی صاحب کے بھیجے ہوئے جو کاغذ میرے سامنے ہیں، اُن میں متعدد کاغذ ایسے بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم اِس متن کی طرف سے کبھی غافل نہیں رہے۔ بہت سے پرچوں پر اِس سے متعلق یادداشتیں لکھی ہوئی ہیں۔ طباعت کے لیے کاغذ کے نمونے بھی ایک کلپ میں لگے ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے دو بار اِس متن کو اپنے قلم سے مکمل طور پر نقل کیا ہے۔ اِس متن سے متعلق اُنھوں نے جو حواشی لکھے ہیں، اُن کی کئی نقلیں اُنھی کے قلم کی لکھی ہوئی۔ یہی نہیں، پورے متن کی کتابت پہلے کاغذ پر (لیتھو کی چھپائی کے لیے) کرائی گئی ہے۔ کسی دوسرے کاتب سے پھر اِس کی کتابت کرائی گئی، مگر اِس کتابت کے شروع کے صرف چار صفحے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے وہ اِسے لیتھو میں چھپوانا چاہتے تھے۔ مکمل متن کی کتابت موی کاغذ (بٹر پیپر) پر کرائی گئی ہے، اِس سے معلوم ہوا کہ بعد کو اُن کا ارادہ بدل گیا اور وہ اِسے وِنڈانگ سے چھپوانا چاہتے تھے۔ غرض کہ ان سب کاغذوں کا اچھا خاصا بستہ بن گیا ہے۔

انشائے غالب کے اصل خطی نسخے کا مکمل عکس اِس کتاب کے آخر میں شامل کردیا گیا ہے، اِس طرح خطی نسخے کا احوال اور اُس کے کوائف دیکھے جاسکتے ہیں، یہاں اُن کو لکھنے کی ضرورت نہیں کہ یہ محض تکرار ہوگی۔

چوتھی بات جس کا بیان باقی ہے، وہ یہ ہے کہ اصل خطی نسخہ دہلی سے حیدرآباد کس طرح پہنچا اور صدیقی صاحب کو کس طرح ملا اور کب ملا۔ اب اِس کی وضاحت کی جاتی ہے۔

اِس خطی نسخے کے سلسلے میں سب سے پہلا بیان ہمارے سامنے عبدالرزاق صاحب کا ہے، جنھوں نے اِس نسخے کو مکمل صورت میں پہلی بار ۱۳۴۵ھ/۲۷-۱۹۲۶ء میں ''چشتیہ پریس چھتہ بازار حیدرآباد دکن'' میں چھپوایا تھا۔ اِس کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔ انھوں نے ''تقریب'' کے عنوان سے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے:

''اس کا مسودہ دہلی کالج کے پروفیسر ضیاء الدین ایل، ایل، ڈی، کے وسیع کتب خانے سے برآمد ہوا ہے اور اب جناب منشی سید سجاد صاحب ایم،اے، کے قبضے میں ہے۔ جناب موصوف عثمانیہ یونی ورسٹی میں اردو کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ آپ کو اردو کے قدیم سرمایے کی حفاظت کا خاص ذوق ہے۔ ہم آپ کے نہایت ممنون ہیں کہ آپ نے یہ مجموعہ اشاعت کی غرض سے ہمیں عنایت فرمایا ہے ـــــ ہم نے اس کا نام ''انتخاب غالب'' تجویز کیا ہے''۔

عبدالرزاق صاحب کے اس بیان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ (الف) اصل خطی نسخہ سید سجاد صاحب کے قبضے میں تھا۔ (ب) یہ نسخہ مولوی ضیاء الدین خاں کے وسیع کتاب خانے سے برآمد ہوا ہے۔ (ج) سید سجاد صاحب نے اشاعت کی غرض سے یہ نسخہ عبدالرزاق صاحب کو دیا تھا (ان بیانات کا جائزہ ابھی لیا جائے گا)۔

زمانی ترتیب کے لحاظ سے اس سلسلے کا دوسرا بیان ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا ہے۔ صدیقی صاحب نے مالک رام صاحب کے نام ایک خط میں لکھا تھا:

''رقعات غالب (انتخاب) میرے پاس بہت مدت سے ہے۔ جب وہ نسخہ میری ملک میں آرہا تھا، اُسی دوران میں ایک صاحب نے اسے مستعار لے کر نقل کرلیا (چھوٹا سا تو رسالہ ہے) اور چھپوا ڈالا۔ جو شخص میرے ہاتھ بیچ رہا تھا، اُس نے مجھے خبر کی۔ میں نے باوجود اس سانحے کے اُسے لیا۔ بعد کو چھپا ہوا نسخہ دیکھا، غارت کر کے چھاپا تھا۔ پھر ایک شخص نے اُن حضرت کی اجازت سے لاہور میں چھاپا۔ صورت بہتر، لیکن غلط جیسا وہ تھا ویسا یہ۔ اب میں خود چھپوانے کا ارادہ کررہا

ہوں''۔(۶)

یہ خط ۸رفروری ۱۹۵۴ء کا ہے۔صدیقی صاحب نے بہت اختصار سے کام لیا اور اس کی وضاحت نہیں کی کہ''جو شخص میرے ہاتھ بیچ رہا تھا'' وہ کون تھا۔ اِس طرح قیاس آرائی کے لیے گنجایش نکل آئی۔ اِس کا حق ادا کیا مالک رام صاحب نے اور اِس طرح کہ اُس مبہم واقعے کے بیان میں کہانی جیسی دل چسپی پیدا ہوگئی۔ مالک رام صاحب نے اِس سلسلے میں اپنے مقدمے میں لکھا تھا (اُن کا یہ مقدمہ زیرِ نظر اشاعت میں شامل ہے):

''حسنِ اتفاق سے غالب کے انتخاب کا یہ خطی نسخہ''انشاء اردو'' کی ترتیب و اشاعت کے بعد مولوی ضیاء الدین خان کے ذخیرے میں محفوظ رہا۔ اُن کی وفات کے بعد اُن کی کتابوں سے یہ برآمد ہوا اور ایک صاحب اِسے لے کر حیدرآباد پہنچے۔ وہاں اُنھوں نے اُسے مولوی محمد عبدالرزاق راشد کو دکھایا اور انھیں بتایا کہ وہ اسے بیچنا چاہتے ہیں۔۔۔وہ نسخے کو دیکھ کر اس کی اہمیت تو بھانپ گئے، لیکن وہ اس کے لیے کچھ دینا نہیں چاہتے تھے، اُنھوں نے مالک سے کہا کہ اِتنے مختصر وقت میں اسے دیکھنا محال ہے، آپ اِسے چھوڑ جایئے، میں اطمینان سے دیکھ کر فیصلہ کرسکوں گا کہ آیا اس میں کوئی نئی چیز ہے بھی یا نہیں اور اس کی قیمت کیا ہونا چاہیے۔

بات معقول تھی، مالک اس پر راضی ہوگیا اور نسخہ اُن کے حوالے کرکے چلا آیا۔ مختصر سی چیز تھی، راشد صاحب نے راتوں رات اس کی نقل لے لی اور جب مالک اگلے دن اُن کی خدمت میں حاضر ہوا، تو یہ کہہ کر اس میں کوئی اہم اور نئی چیز نہیں ہے، انھوں نے خطی نسخہ اُسے واپس کردیا۔

اُس کے دو چار دن بعد وہ شخص اسے لے کر ڈاکٹر عبدالستار

صدیقی کے پاس پہنچا۔ یہ اُن دنوں وہاں عثمانیہ یونی ورسٹی کالج کے پرنسپل
تھے۔ اُنھوں نے الٹ پلٹ کر اسے دیکھا تو فوراً جان گئے کہ یہ مجموعہ خود
غالب کا مرتب کیا ہوا ہے ۔۔۔ اُنھوں نے مالک کو اس کے لیے دس
روپے پیش کیے۔۔۔ اُس نے ان ۲۹ صفحات کے لیے ڈاکٹر صدیقی سے
یہ دس روپے بھی بہت غنیمت خیال کیے اور اُن کی پیش کش قبول کر لی۔ یوں
یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب کی تحویل میں آ گیا (۷)"۔

(مقدمۂ انتخاب غالب، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۹۴ء، ص ۳۴۔۳۵)

تفصیلات اور جزئیات اِس طرح مرتب صورت میں سامنے آئی ہیں کہ اُن پر یقین کر لینے کو جی چاہتا ہے، مگر مالک رام صاحب نے یہ کہیں نہیں بتایا کہ یہ تفصیلات اُنھیں معلوم کیسے ہوئیں اور کب معلوم ہوئیں۔ ظاہر ہے کہ حوالے کے بغیر ان تفصیلات کی کوئی حیثیت نہیں تھی، اُنھیں تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا؛ لیکن اِس سلسلے میں کہیں اور تفصیلات نہیں ملتی تھیں، اِس لیے اُن کے اِس بیان کے لیے یہ فرض کر لیا گیا کہ وہ درست ہوگا، اور یہ میری غلطی تھی۔

صدیقی صاحب کے ذخیرے میں بہت سے معروف لوگوں کے خطوط اچھی خاصی تعداد میں محفوظ تھے۔ اُن کے فرزند جناب مسلم صدیقی نے کچھ خطوط میرے پاس بھیج دیے، مگر یہ اُس وقت کی بات ہے جب میں "انتخاب غالب" کو مرتب کر کے برائے اشاعت بھیج چکا تھا۔ اُن خطوں میں سید سجاد دہلوی (استاد شعبۂ اُردو، عثمانیہ یونی ورسٹی کالج حیدرآباد) کے بھی چھے خط تھے۔ یہ سب خط ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام ہیں۔ بعض خط طویل ہیں۔ فل اسکیپ سائز کے کاغذ پر باریک لکھائی کے کُل ۲۲ صفحے ہیں۔ پہلا خط ۲۳ راگست ۱۹۲۶ء کا ہے اور آخری خط ۲۹ جنوری ۱۹۲۷ء کا۔ میرے پاس خطوں کا جو پلندا آیا تھا، اُس میں کئی حضرات کے خط تھے۔ کچھ وقت تو اُن کے پڑھنے میں نکل گیا۔ جب سید سجاد صاحب کے خط پڑھنے بیٹھا تو اُس وقت تک "انشائے غالب" چھپ کر آ چکی تھی۔ بہت قلق ہوا، خاص کر یوں کہ میں نے عدم واقفیت کی بنا پر

مالک رام صاحب کی روایت کو درست سمجھ لیا تھا اور عبدالرزاق صاحب کے بیان کو یکسر غیر معتبر فرض کر لیا تھا۔ اگر اِن خطوں کو پہلے دیکھ لیا ہوتا تو اِن دونوں باتوں سے متعلق تفصیلات کسی اور طرح معرض بیان میں آتیں اور صورت حال کی وضاحت کی جاتی۔ اِن خطوں کو پڑھنے سے معلوم ہوا کہ یہ تو قصہ ہی دوسرا ہے، بات ہی بدلی ہوئی ہے اور یہ کہ اِس قصے میں مرکزی حیثیت سیّد سجاد صاحب کی تھی۔ صدیقی صاحب کے خط میں ''جو شخص میرے ہاتھ بیچ رہا تھا'' سے مراد سیّد سجاد صاحب ہیں۔

اِن خطوں سے کئی باتیں معلوم ہوئیں: (الف) دہلی سے کوئی صاحب سیّد صاحب کے پاس کتابیں بہ غرض فروخت حیدر آباد بھیجا کرتے تھے اور سیّد صاحب اُن کتابوں کو مختلف افراد اور کتاب خانوں کو دیا کرتے تھے۔ (ب) سیّد صاحب نے ایک دو خطوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب اِس وقت تو یہاں موجود نہیں، جب میں دہلی جاؤں گا تب تلاش کروں گا یا لاؤں گا۔ (ج) سیّد صاحب نے اُن صاحب کا نام نہیں لکھا جو کتابیں بہ غرض فروخت بھیجا کرتے تھے (یا جن سے سیّد صاحب کتابیں منگایا کرتے تھے) مگر اندازِ بیان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب کوئی قابلِ ذکر حیثیت رکھتے تھے (د) ایک خط کے ساتھ دو صفحوں پر مشتمل ۳۴ کتابوں کی فہرست بھی ہے۔ اِس فہرست میں نمبر ۳۴ پر ''غالب کے دو خطوط'' بھی ہیں جن کے لیے لکھا گیا ہے کہ یہ غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور ''جہاں تک میں سمجھتا ہوں نامطبوعہ''۔ (ہ) جس خط کے ساتھ یہ فہرست منسلک ہے، اُس میں ایک جگہ سیّد صاحب نے لکھا ہے:

> ''آپ کے ارشاد کے مطابق اب کے پھیرے میں ساطع برہان، تیغ تیز، سعادت علی اور سیّاح کی تحریریں دہلی میں تلاش کروں گا اور کامیابی ہوئی تو آپ کی خدمت میں عرض کروں گا، لیکن یہ جملہ امور دہلی جانے پر موقوف ہیں''۔

یعنی لوگ سیّد صاحب سے کتابوں کی فرمائش بھی کیا کرتے تھے اور سیّد صاحب خود بھی دہلی میں قابلِ فروخت کتابوں (وغیرہ) کی تلاش کیا کرتے تھے۔ ۳۰ ستمبر کے خط میں لکھا ہے:

''آپ کی مطلوبہ کتب میں سے تین کتابیں ۔۔۔۔ حیدر آباد میں موجود نہیں ہیں۔ اُن کا مجھے دہلی سے انتظار تھا۔۔۔۔ ان کے مالک نے گزشتہ تین ماہ میں ان کے بھیجنے کے متعلق دو مرتبہ لکھا۔۔۔ مگر وعدہ پورا نہ کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی پہلی کتابوں کی فروخت اور ان کی رقم پہنچ جانے کے منتظر ہیں۔۔۔ یہ کتابیں اُن کے پاس موجود ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ اُن کو میرے سوا کسی کے ہاتھ نہیں بیچیں گے''۔

اِن اقتباسات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سیّد سجاد صاحب کتابوں کی باقاعدہ خرید و فروخت کیا کرتے تھے اور عموماً کتابیں دہلی سے آتی تھیں یا وہ خود جا کر تلاش کر کے لاتے تھے۔

''انشائے غالب'' کے خطی نسخے کا ذکر اُن کے ۲۳ راگست ۲۶ء کے خط میں موجود ہے۔ غالب کے دو خطوں اور بعض دوسری کتابوں کے متعلق اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے:

''میرے پاس غالب کے رقعات و تقاریظ اور اشعار کا ایک مختصر سا انتخاب پہنچا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں اپنے سابقہ عریضے میں اِس کا ذکر کر چکا ہوں یا نہیں۔ یہ انتخاب خاص غالب کی قلم کا لکھا ہوا تو نہیں ہے لیکن کیا ہوا انھیں کا ہے اس لیے کہ اِس کے شروع میں غالب نے اپنی طرزِ خاص میں ایک دیباچہ اور آخر میں ایک خاتمہ تحریر فرمایا ہے۔ دیباچے میں وجہ یا ضرورتِ انتخاب کی صراحت کی ہے۔ یہ دونوں عبارتیں بالکل نئی چیزیں ہیں۔ تقاریظ تمام مطبوعہ ہیں، لیکن خطوط میں ایک خط اردوے معلّٰی کی کسی اڈیشن میں نہیں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ بھی نیا ہے۔ یہ بھی

خدمتِ والا میں مرسل کرتا ہوں۔ چاہے آپ اس کو خرید لیں یا اس کی نقل لے لیں یا نقول کی ایک قلیل سی قیمت ادا فرما دیں اور اصل کو واپس فرما دیں۔خطوط وانتخاب کے مالک پر میرا تھوڑا سا زور ہے، میں اس سے کام لے سکتا ہوں۔ یا آپ کی اجازت ہو تو میں ان کی قیمت ادا کر دوں۔۔۔''

یہ خط تین ورق یعنی چھ صفحے کا ہے۔ آخری صفحے پر ختم عبارت کے بعد حاشیے پر یہ عبارت لکھی گئی ہے: ''خط آج ڈاک میں ڈال رہا ہوں۔ کل رجسٹری کے ذریعے سے ۱) غالب کے اصل خطوط ۲) خطِ مطبوعہ ۱۸۶۵ء ۳) انتخاب ۴) برہانِ قاطع بھیجوں گا۔ آج رجسٹری کا وقت نہیں رہا''۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ''انشائے غالب'' کے زیرِ بحث مخطوطے کو سید صاحب نے ۲۵ راگست ۲۶ء کو بہ ذریعۂ رجسٹری بھیجا ہوگا۔ صدیقی صاحب اُس زمانے میں ڈھاکہ یونی ورسٹی میں تھے۔

اگلا خط ۳۰ ستمبر ۲۶ء کا ہے، اُس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ (اور کتابوں کے ساتھ) یہ خطی نسخہ بھی صدیقی کے پاس پہنچ گیا تھا۔ صدیقی صاحب نے اس دوران قیمت کے متعلق دریافت کیا ہوگا، اس خط میں اُس سلسلے میں یہ عبارت ملتی ہے:

> ''انتخاب، خطوطِ نامطبوعہ اور نامۂ غالب کی قیمت میں نے دریافت کی تھی۔ یہ جواب آیا کہ ان کی قیمت ہی کیا، اس کا دارومدار خریدار کی ضرورت اور ذوق پر ہے۔ گویا قیمت مجھے پھر نہ معلوم ہو سکی۔ میری رائے میں آپ اپنے اندازے سے ان سب کی ایسی قیمت مقرر فرما کر بھیج دیجیے جس میں آپ کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو، اُس کے بعد دیکھا جائے گا''۔

زیرِ بحث خطی نسخے کے سلسلے میں سب سے اہم خط ۱۸ رنومبر ۱۹۲۶ء کا ہے۔ اِس سے

معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحب نے یہ خطی نسخہ پہلے عبدالرزّاق صاحب کو دیا تھا اور بعد کو اِسے صدیقی صاحب کے پاس بھیجا۔ جب عبدالرزّاق صاحب نے اُسے چھاپ لیا تو اُس کے فوراً بعد انھوں نے اس کی اطلاع صدیقی صاحب کو دی۔ سید صاحب کے الفاظ یہ ہیں:

''انتخابِ رقعات و اشعارِ مرزا غالب، جس کا مسودہ آپ کی خدمت میں بھیج چکا ہوں، اس کے متعلق ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے اور اس کی اطلاع مجھے کل ہی ملی ہے۔ یہ مسودہ میرے پاس دو ڈھائی سال سے تھا۔ گزشتہ سال مولوی عبدالرزّاق صاحب --- میرے پاس تشریف لائے اور اپنے پرچے کے لیے --- مضمون مانگا۔ میں اُن ایام میں حیدرآباد کے باہر جا رہا تھا۔ عجلت میں مضمون تو کیا لکھ سکتا تھا، میں نے یہ مسودہ ان کے حوالے کیا اور کہا یہ نایاب چیز ہے، آپ اسے دیکھ کر اس پر ایک نوٹ مرتب فرما لیجیے۔ وہ اسے لے گئے اور بجائے نوٹ ترتیب دینے کے، مسودے کی پوری نقل لے لی اور بغیر میری اجازت کے اپنے پرچے میں، جو کل ہی شائع ہوا ہے، اسے نقل کر دیا۔ اور نہ صرف اسی مہربانی پر قناعت کی، بلکہ اس کے سو نسخے علیحدہ چھپوا کر اسے دکن کی ایک انجمن اربابِ ادب کے سلسلے میں داخل کر دیا۔ اِس کے شائع ہونے کا تو مجھے رنج نہیں ہے، لیکن اشاعت نے جو صورت اختیار کی، وہ قابلِ افسوس ہے۔ بہرحال وہ مسودہ اب آپ کے لیے بے کار ہو گیا، آپ اسے اپنے مجموعے میں شامل نہ فرمائیں اور عنایت فرما کر اسے واپس فرما دیں۔ نیز خط وغیرہ کی قیمت میں سے اس کی قیمت وضع فرما لیں''۔

سیّد صاحب کے لکھنے کے مطابق یہ خطی نسخہ ''دو ڈھائی سال سے'' اُن کے پاس تھا، یعنی ۲۴ء کے آغاز میں آیا ہوگا۔ انھوں نے ''گزشتہ سال'' اسے عبدالرزاق صاحب کو دیا تھا، یعنی یہ

واقعہ ۴۵ء کا ہے۔ یہاں مجھے دو باتوں پر تعجب ہے۔ سیّد صاحب خطی نسخوں کی عمومی قدر و قیمت سے خوب واقف تھے اور اس نسخے کی اہمیت سے بھی بے خبر نہیں تھے۔ اس صورت میں ایسے اہم مخطوطے کو اس آسانی کے ساتھ کسی کے حوالے کر دینا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ معذرتی الفاظ کس قدر رکم زور اور کس قدر رہی ہیں۔ اسی سلسلے میں یکم دسمبر ۴۶ء کے خط میں سیّد صاحب نے لکھا ہے:

> ''اس وقت تو مجھے اس کے متعلق ایک خفیف سی پریشانی یہ ہے کہ عبدالرزّاق نے نہ اس کے چھاپنے کی اجازت لی اور نہ اس کے دام ادا کیے۔۔۔ اور مسودہ ایک بڑے جھگڑالو حضرت کا ہے۔ اُن کو معلوم ہوا کہ مسودہ اس طرح چھاپ لیا گیا ہے اور اُس کے بعد اُنھیں نہ دام پہنچیں اور نہ مسودہ، تو ممکن ہے کہ وہ کچھ سر اُٹھائیں۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ عبدالرزّاق اس کی کچھ قیمت ادا کر دیں۔ اگر وہ وصول ہو گئی تو پھر مسودہ آپ اپنے ہی پاس رکھیے گا''۔

''اور نہ اس کے دام ادا کیے'' سے بہ ظاہر تو یہ مترشح ہوتا ہے کہ شروع ہی میں مخطوطے سے متعلق داموں کی کچھ بات اُن سے ہوئی تھی، یہ الگ بات ہے کہ عبدالرزّاق صاحب زیادہ سمجھ دار نکلے اور اُنھوں نے مسودہ واپس کر دیا۔ خریدا نہیں، اور پھر کچھ وقفے کے بعد اُسے چھاپ لیا۔ ۲۹ جنوری کے خط سے میرے اس شک کی تائید ہوتی ہے:

> ''انتخاب کا معاملہ طے شدہ تصور نہ فرمایئے۔ عبدالرزّاق صاحب کے پاس سے مجھے ہنوز کچھ نہیں وصول ہوا۔ دو ایک بار آدمی بھی بھیجا، مگر انھوں نے یہ کہلوا دیا کہ میں خود آ کر ملوں گا اور اس کا جواب دوں گا''۔

سیّد سجاد صاحب کے بیانات سے واقعے کی مکمل صورت گری نہیں ہو پاتی۔ یقین کے

ساتھ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ واقعہ اسی طرح واقع ہوا تھا جس طرح اُسے سید صاحب نے لکھا ہے۔ سید صاحب حیدرآباد میں موجود تھے، عبدالرزاق صاحب بھی حیدرآباد میں تھے جب عبدالرزاق صاحب نے ''انتخاب غالب'' کے پیش لفظ میں یہ لکھا تھا کہ یہ مخطوطہ، جو مولوی ضیاء الدین خاں کے کتب خانے سے آیا ہے، اب سیّد سجاد صاحب کے ''قبضے میں ہے'' اور:

''ہم آپ کے نہایت ممنون ہیں کہ آپ نے یہ مجموعہ اشاعت کی غرض سے ہمیں عنایت فرمایا ہے''۔

اِس سے یہ بات تو واضح طور سے سامنے آجاتی ہے کہ عبدالرزاق صاحب کو معلوم تھا کہ سیّد صاحب کے پاس دہلی سے کتابیں آتی ہیں۔ انھیں سے یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ یہ خطّی نسخہ مولوی ضیاءالدین خاں کے کتب خانے کا ہے۔ اِس صورت میں اِس خیال کا پیدا ہونا ناگزیر سا معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحب نے یہ خطّی نسخہ محض نوٹ تیار کرنے کے لیے نہیں دیا ہوگا۔ کچھ اور بات ہوئی ہوگی جس کا فی الوقت ہمیں علم نہیں۔

سیّد سجاد صاحب کے بیانات میں ایک اور الجھن سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ انھوں نے ۱۸ نومبر کے خط میں صدیقی صاحب کو مطلع کیا ہے کہ گزشتہ سال میں نے عبدالرزاق صاحب کو ''انتخاب رقعات و اشعار مرزا غالب'' کا مسودہ دیا تھا، اِس غرض سے کہ وہ اپنے رسالے میں چھاپنے کے لیے اُس پر ایک نوٹ مرتب کرلیں۔ انھوں نے نوٹ مرتب کرنے کے بجائے مسودے کی پوری نقل لے لی اور اُسے چھاپ دیا--- اِس کے بعد یکم دسمبر ۲۶ء کے خط میں اِسی خطّی نسخے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''میں نے اس کے متعلق عبدالرزاق صاحب کو ایک نوٹ دیا تھا۔ انھوں نے اسے بھی اپنے نام سے چھاپ ڈالا اور جب مجھ سے ملے تو فرمایا کہ میں نے ایسا کیا ہے۔ چاہا سے سرقہ سمجھیے یا کچھ اور''۔

پہلے خط میں سیّد صاحب نے اِس نوٹ کا ذکر نہیں کیا۔ اگر یہ صحیح ہے کہ انھوں نے اس

مخطوطے سے متعلق ایک نوٹ بھی تیار کر کے دیا تھا، تو پھر اُن کے اُس بیان سے کیا مطلب نکالا جائے گا جس میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ میں نے یہ مسودہ عبدالرزاق صاحب کو اس لیے دیا تھا کہ وہ اِس سے متعلق ایک نوٹ مرتب کرلیں۔ جب نوٹ مرتب کر کے دے دیا گیا تھا تو پھر نوٹ مرتب کرنے کا مطلب کیا تھا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحب نے پورا واقعہ اُس طرح نہیں لکھا جس طرح وہ واقع ہوا تھا۔ ہمارے لیے فی الوقت یہ معلوم کرنے کی کوئی صورت نہیں کہ اصلاً کیا بات ہوئی تھی اور کیا طے ہوا تھا۔

ایک بات اور: سیّد صاحب کے اس بیان کی روشنی میں کہ نوٹ میں نے مرتب کر کے دیا تھا اور عبدالرزاق صاحب نے ''اسے بھی اپنے نام سے چھاپ ڈالا'' بہ ظاہر تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ عبدالرزاق صاحب کے چھاپے ہوئے ''انتخابِ غالب'' میں اُن کے نام سے جو پیش لفظ بہ عنوان ''تقریب'' ہے، اُس کا بیش تر حصہ اُن کا لکھا ہوا نہیں بلکہ سید سجاد صاحب کا مرتب کیا ہوا ہے، جسے اُنھوں نے اجازت کے بغیر چھاپ لیا۔

اب رہی مالک رام صاحب کی روایت، سو وہ محض کہانی معلوم ہوتی ہے۔ سب سے بڑی بات اُس میں یہ ہے کہ اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبدالستار صدیقی صاحب اُن دنوں حیدر آباد میں تھے جب وہ شخص اُن کے پاس خطی نسخہ بہ غرض فروخت لایا تھا اور دس روپے پر قناعت کر لی تھی؛ لیکن صدیقی صاحب اُن دنوں ڈھاکہ یونی ورسٹی میں تھے، حیدر آباد میں تھے ہی نہیں۔ یہ بات خود مالک رام صاحب نے بھی لکھی ہے۔ تذکرۂ معاصرین کی دوسری جلد میں صدیقی صاحب کے حالات کے ذیل میں اُنھوں نے لکھا ہے:

> ''۱۹۲۴ء میں وہ حیدر آباد سے ڈھاکہ یونی ورسٹی کے بلاوے پر شعبۂ عربی و علومِ اسلامی کے صدر بن کر وہاں چلے گئے۔۔۔ڈھاکے میں تقریباً چار برس کے قیام کے بعد وہ ۱۹۲۸ء میں صدر شعبۂ عربی و فارسی کی حیثیت سے الہ آباد آ ئے''۔(ص ۶۴)

مقالاتِ صدیقی جلد اول کے آغاز میں اُس کے مرتب اور صدیقی صاحب کے صاحب زادے جناب مسلم صدیقی نے بھی یہی لکھا ہے۔ سیّد سجاد صاحب کے خط میں صراحتاً مذکور ہے کہ یہ خطی نسخہ (بعض اور کتابوں کے ساتھ) ڈاک سے رجسٹری کے ذریعے اُن کے پاس بھیجا گیا تھا۔ اِس صورت میں ایک صاحب کا مخطوطہ لے کر آنا، پہلے عبدالرزاق صاحب کے پاس جانا، اُن کا رات بھر میں اُس کی نقل لے لینا اور پھر اُسے لوٹا دینا، دوسرے دن اُن صاحب کا صدیقی صاحب کے پاس آنا، پوری کہانی سنانا اور پھر دس روپے قبول کر لینا، یہ سب داستانی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ صدیقی صاحب تو حیدرآباد میں تھے ہی نہیں، دس روپے کس نے دیے اور بات کس سے ہوئی۔ معلوم نہیں یہ کہانی مالک رام صاحب کو کس نے سنائی تھی۔ مرحوم کی یہ عادت تھی کہ وہ سنی سنائی روایتوں پر بہ آسانی اعتبار کر لیتے تھے، انھیں درج کتاب کرلیا کرتے تھے اور حوالہ دیتے نہیں تھے۔ میں نے ایک بار اِس پر اعتراض کیا تھا تو انھوں نے اُس کا جواب یہ دیا تھا کہ اپنا اپنا طریقۂ کار (۸) ہے۔ اِسی طریقۂ کار کے باعث (جو سراسر غیر تحقیقی ہے) تذکرۂ معاصرین کی چاروں جلدوں میں اور تذکرۂ ماہ و سال میں کم زور یا غیر معتبر روایتیں شامل ہو گئی ہیں اور اِس نے ان کتابوں کی (اور اُن کی اور بہت سی تحریروں کی) استنادی حیثیت کو بے حد مشکوک بنا دیا ہے۔ وہی صورتِ حال یہاں بھی رونما ہوئی ہے۔

اِس بحث کی تلخیص اِس طرح کی جاسکتی ہے: (الف) انشاے غالب کا مخطوطہ سیّد سجاد صاحب کے بیان کے مطابق ۱۹۳۲ء میں کسی وقت اُن کے پاس آیا ہوگا۔ (ب) یہ مخطوطہ دہلی سے آیا تھا اور اِس کے مالک کوئی عام تاجرِ کتب نہیں تھے، کوئی خاص حیثیت رکھتے تھے۔ اگر عبدالرزاق صاحب کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے (اور جس کے ماننے میں بہ ظاہر کوئی قباحت نظر نہیں آتی) تو یہ خطی نسخہ دہلی سے مولوی ضیاءالدین صاحب کے کتب خانے سے آیا تھا (ج) سیّد سجاد صاحب کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ۲۵ / اگست ۲۶ء کو (یا اِس کے ایک دو دن بعد) اُس خطی نسخے کو ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس بہ غرضِ فروخت بہ ذریعہ ڈاک بھیجا تھا۔ (صدیقی صاحب

اُس زمانے میں ڈھاکہ یونی ورسٹی میں تھے) (د) ۱۸ر نومبر ۲۶ء کے خط میں سیّد صاحب نے صدیقی صاحب کو مطلع کیا کہ میں نے عبدالرزاق صاحب کو وہ خطی نسخہ "گزشتہ سال" (یعنی ۲۵ء میں کسی وقت) دیا تھا اور اب اُنھوں نے اِسے اپنے رسالے میں چھاپ لیا ہے میری اجازت کے بغیر اور اُس کے سو نسخے الگ سے چھاپ لیے ہیں۔ (ہ) عبدالرزاق صاحب کا بیان یہ ہے کہ سیّد صاحب نے وہ خطی نسخہ مجھے چھاپنے کے لیے دیا تھا۔ (و) یہ بات اِن خطوں سے معلوم نہیں ہو سکی کہ جب صدیقی صاحب نے اِس "حادثے" کے باوجود مخطوطے کو اپنے پاس رکھنا چاہا (اور رکھا) تو اِس کے لیے کتنی رقم ادا کی تھی۔

مالک رام صاحب نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے:

> "راشد صاحب نے اپنی نقل پہلے تو تین قسطوں میں حیدرآباد کے رسالے "تحفہ" میں چھپوائی (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۲۶ء)۔ اُس کے بعد اُس پر ایک مختصر دیباچہ لکھ کر اسے کتابی شکل میں بہ عنوانِ "انتخاب غالب" شائع کیا۔"

یعنی بہ قول اُن کے یہ مجموعہ حیدرآباد میں دو بار چھپا۔ پہلی بار رسالہ "تحفہ" کے تین شماروں میں اور اُس کے بعد باقاعدہ کتابی شکل میں۔ جب راشد صاحب نے اسے کتابی شکل میں چھپوایا، تب اس پر مختصر دیباچہ لکھا۔ مگر اِن میں سے کوئی بات صحیح نہیں۔ وجہ اِس کی یہ ہے کہ انھوں نے رسالہ "تحفہ" کو بہ چشم خود نہیں دیکھا (اور جیسی کہ اُن کی عادت تھی) کسی سے سن کر یہ سب کچھ لکھ دیا۔ کالی داس گپتا رضا صاحب نے بھی یہی بات لکھی ہے کہ پہلے یہ کتاب رسالہ "تحفہ" کے تین شماروں میں شائع ہوئی تھی اور "اِس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلا اڈیشن مطبوعہ چشتیہ پریس حیدرآباد دکن ۱۳۴۵ھ کے آخر میں، یعنی ۱۹۲۷ء ہی میں بازار میں آیا ہوگا"۔ (انتخاب رقعات واشعار غالب، ص ۳)

صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ رسالہ "تحفہ" (حیدرآباد دکن) کے "شوال، ذی قعدہ،

ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ" کے مشترک شمارے میں یہ متن چھپا تھا۔ یہ شمارہ میرے سامنے موجود ہے۔ اِس شمارے کے سرورق پر تیسری سطر میں لکھا ہوا ہے: نمبر ۱۰، ۱۱، ۱۲۔ شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ، جلد ۲"۔ اِس اندراج سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ "تحفہ" کا یہ تین مہینے کا مشترک شمارہ تھا۔

اِسی سرورق پر فہرستِ مضامین ہے، جس کا آخری اندراج ہے: "انتخابِ غالب"۔ اِس کے آگے صفحہ نمبر مرقوم نہیں۔ اِس اندراج سے پہلے "حصۂ نظم" کے عنوان کے آگے صفحے کا نمبر "۴۸" لکھا ہوا ہے۔ رسالہ ص ۴۸ پر ختم ہو جاتا ہے۔ (یا یوں کہیے کہ مکمل ہو جاتا ہے)۔ اِس کے بعد نیا سرورق لگایا گیا ہے، جس کے مندرجات کی کیفیت یہ ہے:

"سلسلۂ انجمن اربابِ اُردو رنمبر (۲) رانتخابِ غالب ریعنی ر مرزا اسد اللہ خاں غالب دہلوی کے خطوط، لطائف، اشعار اور نقلوں کا ر ایک مختصر مجموعہ جس کو اُنھوں نے خود مرتب کیا تھا اور ر جواب تک طبع نہیں ہوا ر بہ تحشیہ و مقدمہ راز رمحمد عبد الرزّاق ایچ، سی، ایس ر مددگار محاسب سرکار عالی حکومت آصفیہ ر ۱۳۴۵ھ ر مطبوعہ چشتیہ پریس چھتہ بازار حیدر آباد دکن"۔

اِس میں کُل چوبیس صفحات ہیں۔ شروع کے چار صفحے سرورق اور مقدمۂ مرتب پر مشتمل ہیں۔ اُس کے بعد اصل متن کے لیے نئے نمبر شمار ڈالے گئے ہیں۔ اِن نمبروں کے مطابق اصل متن ص ۱۹ پر ختم ہو جاتا ہے۔ آخری یعنی ص ۲۰ پر "مطبوعات انجمن اربابِ اردو سرور نگر" کا اشتہار ہے۔ اِس میں "انتخابِ غالب" کا اشتہار بھی شامل ہے۔ اِس کی قیمت "۶ ر" (چھے آنے) لکھی گئی ہے۔ مطلب یہ نکلا کہ رسالہ "تحفہ" کے مشترک شمارہ ۱۰، ۱۱، ۱۲ کے آخر میں اس انتخاب کو ایک مجموعے کی صورت میں، الگ سرورق کے ساتھ شامل کر دیا گیا اور پھر اُس آخری حصے کو علاحدہ سے کتابی صورت میں بھی شائع کیا گیا۔ سرورق تو موجود ہی تھا، دیباچہ بھی تھا اور صفحات نمبر بھی اُس

کے مطابق پڑے ہوئے تھے۔ یہ وہی طریقہ کار ہے جس سے آج بھی بعض دفعہ کام لیا جاتا ہے کہ کسی رسالے کے آخر میں مکمل متن کو نئے صفحات نمبر کے ساتھ شامل کر لیا گیا اور اُس حصے کی الگ سے کچھ کاپیاں چھپوائی گئیں اور اس طرح کتاب بھی بن گئی۔ سیّد سجاد صاحب نے اپنے ۱۸ نومبر ۲۶ء کے خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس کے سو (۱۰۰) نسخے علاحدہ چھپوائے گئے تھے۔

رسالۂ ''تحفہ'' کا یہ مشترک شمارہ میرے سامنے ہے، اس کے آخر میں ''انتخابِ غالب'' شامل ہے۔ (اس میں ''انتخابِ غالب'' کے صفحات پر ڈاکٹر صدیقی مرحوم کے بہت سے حواشی لکھے ہوئے ہیں) الگ سے جو مستقل رسالے (یا کتاب) کی صورت میں اِسے لایا گیا تھا، اُس کا بھی ایک نسخہ میرے سامنے ہے۔ اِن دونوں کے موجود ہونے سے یہ آسانی ہوئی کہ مقابلہ کر کے یہ اطمینان کر لیا گیا کہ یہ وہی صفحات ہیں جو رسالے (تحفہ) کے ساتھ شیرازہ بند تھے اور اب مستقل رسالے (یا کتاب) کی صورت میں سامنے ہیں۔ چوں کہ رسالۂ ''تحفہ'' کا یہ شمارہ بیش تر لوگوں کی نظر سے نہیں گزرا تھا، اِس لیے اِس غلط فہمی نے رواج پایا کہ یہ انتخاب حیدر آباد میں دو بار چھپا تھا۔ ایک بار رسالۂ ''تحفہ'' میں اور ایک بار الگ سے کتابی صورت میں۔ یہ غلط فہمی بھی پھیلی کہ یہ انتخاب رسالۂ ''تحفہ'' کے تین شماروں میں (قسط وار) چھپا تھا۔ صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ عبدالرزاق صاحب نے حیدر آباد میں اِسے ایک ہی بار چھاپا تھا رسالۂ ''تحفہ'' کے ساتھ۔ یہ شمارہ تین مہینوں کا مشترک شمارہ تھا۔ ساتھ ہی ''انتخابِ غالب'' کے حصے کو الگ سے کتابی شکل میں پیش کیا، اس طرح یہ ایک مستقل کتاب بن گئی۔

اِس سلسلے کی دوسری بات ہے سنہ طباعت۔ رسالۂ ''تحفہ'' کے سرورق پر صرف یہ مرقوم ہے: ''شوال، ذی قعدہ، ذی حجہ ۱۳۴۴ھ''۔ اِس کا واضح طور پر مطلب یہ ہے کہ یہ اُن تین مہینوں کی نشان دہی ہے جن کا تعلق اِس شمارے سے ہے۔ ''۱۳۴۴ھ'' سنہ طباعت نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ شمارہ ۱۳۴۴ھ میں چھپا تھا۔ اِس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ۱۳۴۴ھ کے اُن آخری تین مہینوں کا یہ مشترک شمارہ ہے۔ ''انتخابِ غالب'' کے سرورق پر سالِ طبع ۱۳۴۵ھ چھپا ہوا ہے، اِس کا مطلب

یہ ہے کہ رسالہ ''تحفہ'' مع انتخاب غالب ۱۳۴۵ھ میں چھپا تھا۔

سید سجاد صاحب نے ۱۸ر نومبر ۲۶ء کے خط میں صدیقی صاحب کو ''انتخاب غالب'' کے چھپ جانے کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا ہے کہ عبدالرزاق نے اسے ''بغیر میری اجازت کے اپنے پرچے میں، جو کل ہی شائع ہوا ہے، اسے نقل کر دیا''۔ ''کل ہی شائع ہوا ہے'' کا مطلب یہ ظاہر یہی ہے کہ ۱۷ر نومبر ۲۶ء کو رسالہ ''تحفہ'' کا وہ شمارہ شائع ہوا تھا جس کے ساتھ ''انتخاب غالب'' چھپا تھا۔ (اس تعین میں زیادہ سے زیادہ ایک دو دن کا فرق ہو سکتا ہے) میرے سامنے انجمن ترقی اُردو پاکستان کی شائع کی ہوئی تقویم ہے، اُس کے مطابق ۱۳۴۵ھ مشتمل ہے ۱۲ر جولائی ۱۹۲۶ء سے جون ۱۹۲۷ء کے عرصے پر۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۳۴۴ھ کے آخری تین مہینوں پر مشتمل رسالہ ''تحفہ'' کا زیرِ بحث شمارہ ۱۳۴۵ھ کے پانچویں مہینے میں شائع ہوا تھا۔ یہی سنہ اشاعت ''انتخاب غالب'' کا قرار پاتا ہے، یعنی ''انتخاب غالب'' عبدالرزاق صاحب کے اہتمام سے نومبر ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا تھا۔

ذیل میں سید سجاد دہلوی کے خطوں کا مکمل متن پیش کیا جاتا ہے۔ اصل مقصد یہ ہے کہ ''انتخاب غالب'' کے خطی نسخے سے متعلق اِن خطوں میں جو اہم معلومات ملتی ہے وہ محفوظ ہو جائے۔ اِس بحث سے دل چسپی رکھنے والے حضرات متعلقہ حقائق سے اچھی طرح واقف ہو سکیں۔ غیر معتبر روایتیں کس طرح فروغ پاتی ہیں اور معاملات کے پیچ و خم کس طرح اصل بات کو الجھا دیتے ہیں، یہ سب باتیں اچھی طرح واضح ہو جائیں۔ یہ سب خط ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام ہیں جو اُن دنوں ڈھاکہ یونی ورسٹی میں تھے۔ خط نمبر ۱ کے ساتھ ایک ورق الگ سے منسلک ہے جس کے دونوں طرف کتابوں کے نام لکھے ہوئے ہیں اور بعض کے سامنے قیمتیں بھی لکھی گئی ہیں۔ اِس خط میں اِس ورق کا حوالہ بھی آیا ہے۔ اِس ورق کے دونوں صفحے عکسی صورت میں اِس خط کے ساتھ ہی پیش کیے گئے ہیں۔ اصل خط میں نے انجمن ترقی اُردو دہلی کے کتب خانے میں محفوظ کرا دیے ہیں۔

فہرست

(۱) شرح قصیدۂ سودا ۔ مولوی ... اردو کالج آگرہ کا مطبوعہ ۱۸۶۰ء صفحات ۱۳۱

(۲) The Principles of Hydrostatics by T. Webster.
یعنی اصول توازن مائعات ۔ مترجم ... اردو اخبار پریس ۔ دہلی ۔ ... مطبوعہ ۱۸۶۰ء
صفحات ۲۴۰

(۳) جبر و مقابلہ ... صاحب ۔ ترجمہ ... انگریزی ... صفحات ۴۵۰ ۔ مطبوعہ اردو اخبار دہلی ۔ ...

(۴) فارسی شرح ... مولوی امام بخش صہبائی ۔ مطبع ... الاخبار ۔ مطبوعہ ۱۸۴۳ء صفحات ۲۲۵

(۵) فارسی شرح ... از امام بخش صہبائی ۔ اصل کتاب ... ۱۰۰ ... مطبوعہ ۱۸۴۴ء ۔ صفحات ۵۰۲

(۶) ... مطبوعہ ۱۸۶۹

(۷) Practical Land Surveying.
ترجمہ ... مطبع العلوم ... مطبوعہ ۱۸۲۸ صفحات ۱۲

(۸) تاریخ القاضی ۔ مولوی امین الدین ... مطبوعہ ۱۲۸۲ھ

(۹) تاریخ ... اکمل المطابع دہلی

(۱۰) ... انگریزی ... ترجمہ ... واسطے ... چھاپہ خانہ ... دارالسلطنت ... ۱۲۲۹ھ مطابق ۱۸۱۴ء
تمام صفحات ۱۸۵ ... یہ کتاب ...

(۱۱) مفتاح ... مطبوعہ ۱۸۶۲ء صفحات ۱۵۶

(۱۲) ... مطبع ... مطبوعہ ۱۸۶۹ ۔ صفحات ۲۲۰

(۱۳) گنج خوبی ۔ ترجمہ ... مطبع ... مطبوعہ ۱۸۶۷ ۔ صفحات ۱۴۴

(۱۴) The Bostan of Sadi — Photographed from a manuscript prepared under the supervision of J. J. Platts. Further collated with original manuscript & annotated by A. Rogers. London. Sampson Low Marston & Co.

(۱۵) تواریخ جلد شاہی از نسخہ [illegible] سنہ ۱۱۵۸ھ
صفحات ۱۲۸ — صہ

(۱۶) Gram. of the Hindustani Language by John Shakespeare. Printed 1826. 25/-

(۱۷) A Gram. of the Persian Language by William Jones Printed 1775. مجلد

(۱۸) Gram. of the Hindustani Lang. by Duncan Forbes Printed 1846. ×

(۱۹) Gram of Hindustani or Urdu Lang by John T Platts Printed 1874 ×

(۲۰) Gilchrist's Grammatical Gram. of the Hindustani Language Pr. 1796. ×

وہ یہ کتاب [illegible] لیکن [illegible]
[illegible]

(۲۱) [illegible] (جان [illegible]) [illegible]
صہ [illegible]

(۲۲) دیوان غالب [illegible]
[illegible]

۱۳۳ تذکرہ [illegible] — صہ
۱۳۴ کلیات [illegible] — صہ
۱۳۵ تاریخ ابوالفدا [illegible] — صہ
۱۳۶ تاریخ انگلستان [illegible]
۱۳۷ رسالہ [illegible]
۱۳۸ [illegible]
۱۳۹ اصول [illegible]
۱۴۰ رسالہ [illegible]
۱۴۱ [illegible]
۱۴۲ تحفہ [illegible]
۱۴۳ [illegible]
۱۴۴ غالب [illegible]
[illegible]

(۱)

کنگ کوٹھی روڈ حیدر آباد دکن

۲۴ر اگست ۲۶ء

جناب مخدومی شفیقی زادلطفہ آداب عرض۔

والا نامہ مجھے کل شام کو ملا اور نوکر نے یہ بیان فرمایا کہ یہ کل کا آیا ہوا رکھا ہے۔ آج پوسٹ مین سے تحقیقات کی اور لفافے کی مہر کو دیکھا تو یہ ۱۲راگست کا حیدر آباد پہنچا ہوا ہے۔ یہ عجیب ماجرا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نوکر اسے رکھ کر بھول گیا۔ افسوس ہے آپ اب تک اس کے جواب کے انتظار کی زحمت اٹھا رہے ہوں گے۔

غالب کے خطوں کے متعلق آپ کو یہ معلوم کر کے افسوس ہوگا کہ میں نے ان دونوں کی نقلیں مولوی عبدالحق صاحب کے پاس رسالہ اردو میں چھپنے کے لیے بھیج دیں۔ تین ہفتے ہوئے وہ حیدر آباد تشریف لائے تھے۔ اُن خطوں کو اور اُن کے نامطبوعہ ہونے کو دیکھ کر بے چین ہوئے اور مجھ سے نقلوں کی فرمائش کی۔ میں نے فوراً اس کی تعمیل کردی۔ خدا جانے وہ ان کو جولائی کے نمبر میں چھاپیں گے یا اکتوبر کے نمبر میں۔ جولائی کا پرچہ ہنوز کتب خانے میں موصول نہیں ہوا، تاہم میں اصل خطوط آپ کی خدمتِ گرامی قدر میں بھیجے دیتا ہوں۔ آپ بھی انھیں ملاحظہ فرمالیں اور ایک ایسی قلیل قیمت پر خرید فرمالیں جس کا مجھے علم نہیں لیکن جو مالک خطوط کو بہت زیادہ ناگوار نہ گزرے۔ آپ کو ایسی چیزوں کا وسیع تجربہ ہے اور قیمت کے متعلق آپ کا فیصلہ میرے نزدیک نہایت معتبر ہوگا۔

میں نے غالب ہی کا ایک خط اور نکالا ہے اور وہ عنقریب حیدر آباد آنے والا ہے۔ میں اُسے بجنسہ جناب کی خدمت میں روانہ کردوں گا اور عبدالحق صاحب کو نہ دوں گا، اس لیے کہ مجھے یہ معلوم کر کے نہایت مسرت ہوئی کہ آپ کے (۹) اس قطع کے اور رقعات موجود ہیں اور آپ ان کو

طبع فرمانے کا قصد رکھتے ہیں۔

میرے پاس غالب کا ایک خط نہایت طویل تقریباً ۲۰ یا ۲۵ صفحے کا در ہے۔اسے میں خدمت میں بھیجتا ہوں۔یہ مطبوعہ رقعات میں شامل نہیں ہے، لیکن جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے ۱۸۶۵ء میں ایک مرتبہ خود غالب کی حیات میں چھپ چکا ہے۔اس کی نقل حکیم احسن اللہ خاں غدار نے کرائی تھی اور یہ وہی نقل ہے۔۵۰ سال کے بعد اور نایاب ہونے کی وجہ سے یہ بھی تقریباً نیا ہے۔ خواہ آپ اس کو خرید لیں خواہ اس کی نقل حاصل فرمالیں۔اگر آپ خرید لیں تو زیادہ مناسب ہے۔

میرے پاس غالب کے رقعات، تقاریظ اور اشعار کا ایک مختصر سا انتخاب بھی پہنچا ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں اپنے سابق عریضے میں اس کا ذکر کر چکا ہوں یا نہیں۔یہ انتخاب خاص غالب کی قلم کا لکھا ہوا تو نہیں ہے لیکن کیا ہوا انھیں کا ہے،اس لیے کہ شروع میں غالب نے اپنی طرز خاص میں ایک دیباچہ اور آخر میں ایک خاتمہ تحریر فرمایا ہے۔دیباچے میں وجہ یا ضرورتِ انتخاب کی صراحت کی ہے۔یہ دونوں عبارتیں بالکل نئی چیزیں ہیں۔تقاریظ تمام مطبوعہ ہیں لیکن خطوط میں ایک خط اردوئے معلّٰی کی کسی اڈیشن میں نہیں نکلا اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ بھی نیا ہے۔اس انتخاب میں رقعات کے بعد دو ایک نقلیں اور ایک ۔ ۔ ۔ حکایت بھی ہے۔ان کا ذکر مولوی حالی نے یادگار غالب میں فرمایا ہے لیکن نہایت سرسری طور پر۔غالب نے انھیں کو اپنی عبارت اور ظرافت کے پیرایے میں لکھا ہے۔بہ ہر حال آپ ان باتوں کو خود ہی دریافت فرمالیں گے۔میں نے انتخاب کے مواد کا مقابلہ اردوئے معلّٰی کی چار مختلف اڈیشنوں سے کیا ہے۔یہ بھی خدمت والا میں مرسل کرتا ہوں۔چاہے آپ اس کو خرید لیں یا اس کی نقل لے لیں یا نقول کی ایک قلیل سی قیمت ادا فرمادیں اور اصل کو واپس فرمادیں۔خطوط و انتخاب کے مالک پر میرا تھوڑا سا زور ہے میں اس سے کام لے سکتا ہوں۔یا آپ کی اجازت ہو تو میں ان کی قیمت ادا کر دوں آپ صرف نقول حاصل فرمالیں لیکن آپ ان کو اپنے مجموعے میں طبع ضرور فرمادیں۔

قاطعِ برہان کا نسخہ میرے ساتھ حیدر آباد میں ہے،اس کی قیمت صرف پانچ روپے

ہے۔اسے آپ خود ہی لے لیں۔اگر کوئی دوسرا نسخہ دست یاب ہو گیا تو یونی ورسٹی کے لیے بھیج دوں گا لیکن مجھے امید مطلق نہیں۔اسے بھی بہ ذریعۂ رجسٹری خدمت گرامی میں بھیج رہا ہوں۔

شرح قصائد سودا تین یا چار دن گزرے الہ آباد یونی ورسٹی کے پروفیسر اردو میرے ایک دوست سید حفیظ صاحب کے پاس بھیج چکا ہوں۔اسے سید صاحب نے ۲۵ء (عہ) میں خرید لیا۔چھوٹی سی کتاب تھی۔ کچھ قصائد اور مثنویات وغیرہ کی شرح تھی۔میں نے اسے بھی نہایت کارآمد پایا تھا اس میں اشعار متن بھی درج تھے جو مطبوعہ کلیاتِ سودا انتخاب کلیات میں عام طور سے غلط ملتے ہیں۔اس کی نسبت میں نے تحریک کی ہے،اسے چھپوا دیا جائے۔

دیوانِ صائب دہلی میں ایک صاحب کے پاس ہے۔میں نے اس کو نہایت عجلت کی نظر سے دیکھا تھا اور مجھے اس کی قیمت بھی معلوم نہیں۔اب کوشش کر کے حیدرآباد منگائے لیتا ہوں۔مزید تفصیل اور قیمت سے جناب کو مطلع کروں گا۔فوائد الافکار کا حال کسی اور عریضے میں عرض کروں گا۔باقی کتابوں کی قیمت ایک دوسرے پرچے پر درج کرتا ہوں۔ان میں سے بعض کتب مثلاً دوسو روپے والی پند و نصائح اور تذکرۂ شعرا کے لیے مولوی عبدالحق صاحب نے اور طبقات الشعراء کے لیے سید حفیظ صاحب نے فرمائش کی ہے۔مولوی صاحب نے پند و نصائح کی قیمت پر اعتراض کیا ہے اور میں نے اس اعتراض کو مالک کتاب کے پاس بھیج دیا ہے۔دیکھیے کیا جواب آتا ہے۔اگر آپ کی یونی ورسٹی کو بھی بعض قیمتیں زیادہ معلوم ہوں تو مجھے ضرور مطلع فرمایئے لیکن میں ان کو اُن صاحب کے ہاتھ فروخت کروں گا جن کی بولی سب سے زیادہ ہوگی۔اس لیے کہ جہاں میرا ایک جانب ضروری فرض یہ ہے کہ انھیں محفوظ کر لیا جائے،وہاں یہ فرض بھی ہے کہ کتاب کے مالکان کو قیمت میں نقصان نہ پہنچے۔

جو کتابیں آپ کے ہاں خرید لی جائیں گی اُن کی قیمت ادا ہونے سے قبل میں اُن کو آپ کی خدمت میں بیمے کے ذریعے بھیج دوں گا۔آپ نے ان کو ایسا ہی پایا جیسا میں بتلا چکا ہوں تو اس کے بعد آپ قیمت بھیجنے کا انتظام فرما دیں۔سخت تعجب ہے کہ ریاضی وغیرہ کی کتابوں پر آپ کی

یونی ورسٹی نے توجہ نہیں کی۔ یہ تمام کتابوں سے زیادہ ضروری ہیں خاص کر دہلی سوسائٹی کی کتابیں تو انمول ہیں۔ یہ نسخے کہیں نکل گئے تو پھر کہاں سے آئیں گے اور بغیر ان کے آپ کی یونی ورسٹی میں تحقیقاتِ زبان وادب اردو کیوں کر ممکن ہوگی۔ آپ کے ارشاد کے مطابق میں ان کے لیے لکھنؤ، اعظم گڑھ وغیرہ لکھوں گا۔ مجھے ان کتابوں کی جدائی کا بڑا صدمہ ہے۔

میں نے ڈاکٹر عبدالحق صاحب کو آپ کی ہدایت کے خلاف آپ کا پیام وسلام نہیں پہنچایا۔ انھوں نے آپ کی مہربانیوں اور پے در پے طلبیوں کو پروفیسر مارگولیتھ کی تائید و تقاضے اور اپنی خوبی ولیاقت پر محمول فرمایا ہے اور اس کا چرچا جابجا کیا ہے۔ حالانکہ جس زمانے میں میں نے آپ کی خدمتِ گرامی قدر میں ان کے متعلق عریضہ لکھا ہے تو یہ مجھے کے بے ایمانیوں اور سخت بے التفاتیوں سے بغایت نالاں تھے اور ڈھاکے کے موقع کو ایک نعمت خیال فرماتے تھے بلکہ اگر میرا ظن، ظنِ بد نہیں ہے تو آپ کی مہربانی کا آفرنہ آنے کی صورت میں شاید دس سال تک ان کو پروفیسری کا گریڈ نہ ملتا۔ اگر ڈھاکے کا معاملہ پیش نہ آتا اور گر آیا تھا اور یہ اس کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتے تو مجھے ان کی ترقی سے بے حد خوشی ہوتی لیکن اب تو ایک شکایت سی پیدا ہوگئی ہے۔ میں آپ کی نظروں میں اپنے آپ کو بھی کسی قدر نادم سمجھتا ہوں۔ میں نے ان سے اس معاملے میں دہلی کے خط کے بعد کوئی ذکر نہیں کیا، اس سبب سے آپ کا پیام پہنچانے سے بھی قاصر رہا۔ مولوی غلام نبی اور محمد ابراہیم صاحب ان کے ماتحت کردیے گئے ہیں، دونوں سرکشی پر تلے ہوئے ہیں۔

حیدرآباد کے حالات آپ نے اخباروں میں ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔ یہاں اس پرسش کو ایک خطرۂ عظیم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ خدا کرے جو کچھ ہو، مسلمانوں کی بہتری کے لیے ہو۔ امید کہ مزاج والا بعافیت ہوگا۔

خادم، سیّد سجاد

خط آج ڈاک میں ڈال رہا ہوں، کل رجسٹری کے

ذریعے سے ۱) غالب کے اصل خطوط ۲) خط مطبوعہ ۱۸۶۵ء

۳)انتخاب غالب۴) برہان قاطع بھیجوں گا۔ آج رجسٹری کا وقت نہیں رہا۔

(۲)

حیدرآباد

۳۰ستمبر۲۶ء

مخدومی و مکرمی زادلطفہ آداب عرض۔

والا نامہ مجھے دو پہر قبل مل گیا تھا۔ آپ کی عنایت وتوجہ کا شکریہ۔ میں یہ جواب خدمتِ گرامی میں بہت تحویق کے بعد بھیج رہا ہوں۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ آپ کی مطلوبہ کتب میں سے تین کتابیں طبقات الشعراء، شعرائے عرب اور تاریخ ابوالفدا میرے پاس حیدرآباد میں موجود نہیں ہیں۔ ان کا مجھے دہلی سے انتظار تھا۔ اور دوسرا سبب یہ کہ کامل ایک عشرے سے میری طبیعت ناساز ہے۔ میں کالج بھی نہیں جا رہا ہوں۔ آج بڑی ہمت کر کے یہ عریضہ لکھنے بیٹھا ہوں لیکن افسوس ہے کہ مذکورۃ الصدر کتب ابھی تک دہلی سے وصول نہیں ہوئیں۔ ان کے مالک نے گزشتہ تین ماہ میں ان کے پہنچنے کے متعلق مجھے دو مرتبہ لکھا اور دو مرتبہ سخت منتظر رکھا مگر وعدہ پورا کر کے نہ دیا۔ شاید اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنی پہلی کتابوں کے فروخت ہونے اور ان کی رقم پہنچ جانے کے منتظر ہیں۔ اس کے بعد وہ ان کتابوں کو روانہ فرمائیں گے۔ یہ کتابیں ان کے پاس موجود ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ اُن کو میرے سوا کسی صاحب کے ہاتھ نہیں بیچیں گے۔

میرا ارادہ تھا کہ جو کتابیں میرے ساتھ حیدرآباد میں ہیں وہ حسب الارشاد آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا مگر آپ کو یہ معلوم کر کے افسوس ہوگا کہ میں نے یہ ارادہ اب ترک کر دیا ہے۔ چند روز ہوئے میں نواب صدر یار جنگ شروانی صاحب سے ملا تھا۔ دوران گفتگو میں ان سے ان کتابوں کا ذکر بھی آیا اور جب ان کو علم ہوا کہ میں انھیں عنقریب آپ کی خدمت میں ارسال

کرنے والا ہوں تو وہ بہت برہم ہوئے اور کہا کہ ان کتابوں پر پہلے عثمانیہ یونی ورسٹی کا حق ہے، اس کے بعد کسی اور کتب خانے کا۔ میں نے یہاں کی مشکلات بیان کر دیں تو انھیں رنج ہوا اور پھر یہ کہا کہ میں بالفعل وطن جا رہا ہوں، واپسی پر میں خود کوشش کر کے انھیں کالج کے کتب خانے میں ضرور داخل کراؤں گا۔ آپ ان کتابوں کو اپنے پاس محفوظ رکھیں۔

جناب کو یاد ہوگا کہ میں ان کتابوں کو اپنے ہی کالج کے لیے اور اپنی ضرورت سے لایا تھا لیکن جب میں یہاں سے مایوس ہو گیا تھا تو میں نے آپ کی خدمت والا قدر میں عریضہ بھیجا تھا۔ اب یہ صورت پیدا ہو گئی ہے، اس لیے مجھے امید ہے کہ از راہِ شفقت و ہمدردی آپ میرے اس فعل کو خلافِ طبع گرامی محسوس نہ فرمائیں گے اور شروانی صاحب نے جو وعدہ فرمایا ہے اس کے پورا ہونے کا موقع عطا فرمائیں گے۔ تاہم قاطع القاطع جو خاص آپ کی ضرورت کی کتاب ہے بہ ذریعۂ رجسٹری خدمت میں بھیجتا ہوں۔ اس کی رسید سے اطلاع بخشیں۔ اس کے سوا کوئی اور کتاب جو قاطع القاطع کی مانند خاص آپ کے کام کی ہو اُس کے نام سے آگاہ فرمائیں تو شروانی صاحب کی ہدایت کے باوجود میں اسے بھی آپ کی خدمت میں ضرور بھیج دوں گا۔

طبقات، عرب اور ابوالفدا کی نسبت ایک خط میں عرض کر چکا ہوں کہ اس کے نسخے میں نے اپنے کتب خانے میں دو سال پہلے داخل کرا دیے ہیں۔ جن نسخہ جات کا مجھے دہلی سے انتظار ہے وہ آپ کی خدمت میں بھیج سکتا ہوں، اس لیے جب وہ موصول ہو جائیں گے تو آپ کے پاس روانہ کر دوں گا۔

آپ کے ارشاد کے مطابق اب کے پھیرے میں ساطع برہان، تیغ تیز، سعادت علی اور سیاح کی تحریریں دہلی میں تلاش کروں گا اور کامیابی ہوئی تو آپ کی خدمت میں عرض کروں گا۔ مجھے ۱۸۵۹ء کی چھپی ہوئی ایک اردوئے معلّٰی کا پتا لگا ہے۔ یہ ہاتھ آ گئی تو اس کا حال آپ کو لکھوں گا اور اردوئے معلّٰی کے اصل مواد کے متعلق بھی تحقیقات کروں گا لیکن یہ جملہ امور دہلی جانے پر موقوف ہیں۔

''انتخاب'' کا مقابلہ میں نے جن چار اڈیشنوں سے کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں :۱)
مطبوعہ کلکتہ لوہے کا چھاپہ ۱۸۸۳ء ۲) مطبوعہ لکھنو ۳) الہ آباد اور ۴) لاہور۔ نامطبوعہ خط غالباً دہی ہے جس کی آپ نے نشان دہی فرمائی ہے۔ مجھے جو کچھ یاد ہے وہ یہ ہے کہ نامطبوعہ خط ما قبل آخر یا اُس سے قبل کا خط ہے۔ دیباچے، خاتمے اور نقل و حکایت کے سوا باقی تقاریظ و رقعات مطبوعہ ہیں۔
''انتخاب'' کے پہلے ورق کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اڑا ہوا ہے۔ میرے پاس بھی اسی حالت میں پہنچا تھا۔
قاطع القاطع کی قیمت بھی صہ ہے۔ قاطع برہان اور اس کی قیمت میں سے آپ کا جو مزاج چاہے، وہ کم کر دیجیے۔ مالک نے کمی کو منظور کر لیا تو آپ کو مطلع کر دوں گا۔ ''انتخاب'' خطوط نا مطبوعہ اور نامۂ غالب کی قیمت میں نے دریافت کی تھی۔ یہ جواب آیا کہ ان کی قیمت ہی کیا۔ اس کا دارومدار خریدار کی ضرورت اور ذوق پر ہے۔ گویا قیمت مجھے پھر نہ معلوم ہو سکی۔ میری رائے میں آپ اپنے انداز ے سے ان سب کی ایسی قیمت مقرر فرما کر بھیج دیجیے جس میں آپ کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو، اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔
خادم سیّد سجاد

(۳)

حیدر آباد
۱۴/اکتوبر ۲۶
مخدومی و شفیقی زاد لطفہ۔ آداب عرض۔
تین چار روز ہوئے آپ کا تفصیلی عنایت نامہ اور کل ایک کارڈ صادر ہوا۔ آپ کا شکر گزار ہوں کہ کتابوں کے خدمت میں نہ پہنچنے کو آپ نے شکایت کا موجب قرار نہ دیا۔ جن کتابوں

کے دو ہرے دو ہرے نسخے ہاتھ آئیں (۱۰) انھیں آپ کی خدمت میں ضرور پیش کروں گا اور آیندہ قیامِ دہلی میں آپ کی ضرورت کی تمام چیزیں تلاش کروں گا۔

اردوئے معلی مطبوعہ ۱۸۵۹ء کا نسخہ دہلی کے قریب سے ایک صاحب کے پاس حیدر آباد میں پہنچا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہنوز میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس میں رقعات کی تعداد کم ہوگی۔ بہر حال جب میں اسے دیکھ لوں گا تو پورا حال آپ کی خدمت گرامی میں پہنچا دوں گا۔ کلکتہ ۱۸۸۳ء کا نسخہ جو ہمارے کتب خانے میں موجود ہے، وہ آپ ہی کے زمانے کا ہے۔ لکھنوی اڈیشن بہت پرانی ہے، اسے نول کشور نے چھاپا ہے۔ اس میں رقعات کے دونوں حصے ہیں لیکن اس کا کاغذ ناقص، لکھائی چھپائی بری اور کتابت کی غلطیاں بے شمار۔ لاہور کی ایڈیشن حال کی ہے۔ لوہاری دروازہ مبارک علی کتب فروش نے چھاپی ہے۔ یہ بھی دونوں حصوں پر مشتمل ہے اور لکھنوی اڈیشن سے بدر جہا بہتر ہے۔

''دلہائے'' میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ مجھے یقین نہیں کہ مولوی ممو جان نے DELHI کو اردو میں اس طرح لکھا ہو یا اس کا ترجمہ کیا ہو۔ یہ چھچھوراپن ہے اور مولوی ممو جان کی طبیعت اور وضع داری کے منافی ہے۔ ان کا مطبع، جہاں تک مجھے یاد ہے، محلہ رودگران میں واقع تھا۔ یہ محلہ نہایت وسیع ہے۔ اس میں ایک جگہ مدرسہ کہلاتا ہے۔ مولوی صاحب کا مکان اور ان کی جائداد خود اس میں اور اس کے قریب کی تھی (کذا)۔ گردو پیش کی گلیوں میں ایک گلی میر مداری ہے، ایک احاطہ جن صاحب، ایک محلے کا کواں زیادہ مشہور ہیں۔ رودگران کا بہت بڑا حصہ میری والدہ کی ننھیال کی ملکیت تھا۔ میں اس کے ایک ایک گھر سے واقف ہوں، لیکن یہاں ''دلہائے'' نام کا کوئی مقام نہیں۔ عکس سے غالباً آپ کی مراد فوٹوگراف ہے، لیکن یہ عکس عجیب قسم کا ہے کہ اس میں مولوی صاحب کے نام کا جزو ''ممو'' (جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے) ''ممو'' اترا ہے۔ بہر کیف اگر آپ چیستانِ ''دلہائے'' کو حل فرمانے کی سخت ضرورت تصور فرمائیں تو مجھے اطلاع دیجیے، میں مولوی صاحب مرحوم کے صاحب زادے یا ایک اور معتبر شخص ڈاکٹر رام سنگھ کے لڑکے {اور؟} حکیم

فضل معین سے دریافت کر کے صحیح حال خدمتِ گرامی میں حاضر کر دوں گا۔

قاطع القاطع کے پہنچنے کا علم ہوا۔ مجھے اس امر سے بے حد خوشی ہے کہ اس قسم کا مواد آپ کے جیسے ہاتھوں میں محفوظ ہو گیا۔ خطوط اور کتابوں کی جو مجموعی قیمت آپ نے تجویز فرمائی ہے وہ میرے نزدیک مطلق درست ہے۔ میں اس باب میں مشورہ دینا عبث سمجھتا ہوں۔ آپ دونوں میں سے چھوٹے میزان کی رقم میرے پاس بھیج دیجیے، میں اسے مالک کے پاس منی آرڈر کر دوں گا۔ کوئی بات نکلی تو میں خود ہی اس کو طے کر دوں گا۔ اور اگر کوئی خاص اور نہایت ضروری اعتراض پیدا کیا گیا تو آپ کی خدمت میں اطلاع بھیج دوں گا۔ بالفعل آپ اس مواد کا معاملہ طے کیجیے اور جس طرح سے مزاج چاہے، اس سے کام لیجیے، تامل مطلق نہ فرمائیے۔ حضرت مالک کو جب میں آپ کی رقم بھیجوں گا تو یہ لکھوں گا کہ فلاں فلاں چیزیں میں نے فروخت کر دیں اور اُن کی یہ رقم ملی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت میں اگر اُن کے دل میں رقم کے متعلق کوئی اختلاف وارد ہو گا، تو یہ سمجھ کر کہ اب تو سودا ہو چکا ہے، وہ اسے زبان تک نہ لائیں گے۔ یہ خدانخواستہ ان کو دھوکا دینا نہ ہو گا، بلکہ ان کی نیت کو ڈانوا ڈول ہونے سے بچانا ہو گا۔

ہاں وہ تیسرا خط جس کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا، ابھی تک مجھے وصول نہیں ہوا، حالانکہ اس کے مالک نے مجھے اس کی نسبت دو خط لکھے تھے اور بھیجنے کا حتمی وعدہ کیا تھا۔ آپ جو رقم ارسال فرمائیں، اُس میں سے اس کی قیمت وضع فرمالیں۔ مجھے امید ہے کہ دو ایک ہفتے میں اس کے بہم پہنچنے کا انتظام کر لوں گا۔ انشاءاللہ۔

میری طبیعت بفضلہٖ اب درست ہے۔ میں گزشتہ دو سال سے علیل چلا آتا ہوں۔ پچھلے برس ایک انتڑی کے زخم میں بمبئی جا کر آپریشن بھی کرایا اور اس کی سخت تکلیفیں جھیلیں مگر اب کچھ روز سے میں نے معالجے کا غیر معمولی انتظام کیا ہے۔

خدا سے امید ہے کہ جناب والا کا مزاج گرامی بخیریت ہو گا۔

خادم سید سجاد

(۴)

کنگ کوٹھی روڈ حیدرآباد

۱۸نومبر ۲۶ء

مخدومی و مکرمی زاد عنایتہٗ

گرامی نامے اور پوسٹ کارڈ کے جواب میں میں نے ایک عریضہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔اس بات کو شاید کئی ہفتے گزر چکے ہیں لیکن آپ کا خیریت نامہ موصول نہیں ہوا۔امید ہے کہ مزاج بعافیت ہوگا۔

انتخاب رقعات واشعار مرزا غالب، جس کا مسودہ آپ کی خدمت عالی میں بھیج چکا ہوں،اس کے متعلق ایک عجیب واقعہ پیش آیا ہے اور اُس کی اطلاع مجھے کل ہی ملی ہے۔ یہ مسودہ میرے پاس دو ڈھائی سال سے تھا۔گزشتہ سال مولوی عبدالرزاق صاحب مددگار صدر محاسب جنھوں نے اقبال کے کلام پر ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے اور پورا کلام کلیات اقبال کے نام سے شائع کیا ہے، میرے پاس تشریف لائے اور اپنے ایک پرچے کے لیے، جس کی عنان ادارت اُسی زمانے میں ان کے سپرد ہوئی تھی، مضمون مانگا۔ میں اُن ایام میں حیدرآباد کے باہر جارہا تھا، عجلت میں مضمون تو کیا لکھ سکتا تھا، میں نے یہ مسودہ اُن کے حوالے کیا اور کہا یہ نایاب چیز ہے، آپ اسے دیکھ کر،اس پر ایک نوٹ مرتب فرمالیجیے۔ وہ اسے لے گئے اور بجائے نوٹ ترتیب دینے کے مسودے کی پوری نقل لے لی اور بغیر میری اجازت کے اپنے پرچے میں، جو کل ہی شائع ہوا ہے، اسے نقل کردیا۔اور نہ صرف اسی مہربانی پر قناعت کی، بلکہ اس کے سو نسخے علیحدہ چھپوا کر اُسے دکن کی ایک انجمن ارباب ادب کے سلسلے میں داخل کردیا۔

اس کے شائع ہونے کا تو مجھے رنج نہیں ہے،لیکن اشاعت نے جو صورت اختیار کی،وہ قابل افسوس ہے۔بہرحال وہ مسودہ اب آپ کے لیے بے کار ہوگیا،آپ اسے اپنے مجموعے میں

شامل نہ فرمائیں اور عنایت فرما کر اسے واپسی فرمادیں۔ نیز خط وغیرہ کی قیمت میں سے اس کی قیمت وضع فرمادیں۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیریت ہوگا۔ والسلام

خادم

سیّد سجاد

(۵)

حیدرآباد۔ یکم دسمبر (۱۱)

مخدومی و مکرمی زادلطفہ۔ آداب عرض۔

گرامی نامہ صادر ہوا۔ میں نے مبارک سے اسی وقت کہا ہے کہ عبدالرزاق صاحب کے پاس سے انتخاب کا ایک نسخہ خرید کر لے آئیں۔ امید ہے کہ یہ آج یا کل تک لے آئیں گے۔ آ جائے گا تو خدمت میں بھیج دوں گا۔ اصل مسودے کو بالفعل تو آپ اپنے پاس رہنے دیجیے، بعد میں اگر اس کی ضرورت نہ ہوئی تو مستقل طور پر آپ اسے اپنے ہی پاس رکھیے گا۔ اس وقت تو مجھے اس کے متعلق ایک خفیف سی پریشانی یہ ہے کہ عبدالرزاق صاحب نے نہ اس کے چھاپنے کی اجازت لی اور نہ اس کے دام ادا کیے اور اسے اپنی انجمن کے سلسلہ مطبوعات میں داخل کرلیا ہے اور مسودہ ہے ایک بڑے جھگڑالو حضرت کا۔ ان کو معلوم ہوا مسودہ اس طرح چھاپ لیا گیا ہے اور اس کے بعد انھیں درم نہ پہنچیں تو ممکن ہے کہ وہ کچھ سر اٹھائیں۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ عبدالرزاق صاحب اس کی کچھ قیمت ادا کردیں۔ اگر وہ وصول ہوگئی تو پھر مسودہ آپ اپنے ہی پاس رکھیے گا، مجھے اس میں خوشی ہوگی۔

میں نے اس کے متعلق عبدالرزاق صاحب کو ایک نوٹ دیا تھا۔ انھوں نے اسے بھی اپنے نام سے چھاپ ڈالا۔ اور جب مجھ سے ملے تو یہ فرمایا کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے۔ چاہے

اسے سرقہ سمجھیے یا کچھ اور۔ مجھے اس امر کا تھوڑا سا قلق رہے گا کہ ایک چیز جو میں نے خدمت عالی میں بھیجی تھی، وہ میری ہی غفلت سے ناقص ہو کر رہ گئی۔

معلوم نہیں آپ کی یونی ورسٹی میں ممتحنین کا تقرر کس زمانے میں ہوتا ہے۔ اگر نامناسب نہ ہو تو میں ممتحن ہونے کے لیے درخواست بھیج دوں۔ میں دو سال سے ایم۔اے میں بھی کام کر رہا ہوں بلکہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ایم۔اے میں ہسٹری آف پرشین لٹریچر کا شعبہ بھی میرے سپرد کر دیا گیا تھا۔ جب سے ڈاکٹر نظام الدین آئے ہیں، وہ اس کام کو انجام دے رہے ہیں۔

کیا مثنوی گلشن عشق شیخ نصرتی (۱۰۶۸ ہجری بیجاپور) کا کوئی نسخہ آپ کے پاس موجود ہے؟ نہ ہو تو اطلاع بخشیے۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیریت ہوگا۔

خادم

سید سجاد

(۶)

کنگ کوٹھی روڈ

حیدرآباد ۲۹ جنوری (۱۲)

مخدومی و مکرمی زادلطفہ

آپ کے دو عنایت نامے اور پندرہ روپے کا منی آرڈر وصول ہوا۔ خدمت میں شکریہ لیکن براہ کرم انتخاب کا معاملہ طے شدہ تصور نہ فرمائیے۔ عبدالرزاق صاحب کے پاس سے مجھے ہنوز کچھ نہیں وصول ہوا۔ دو ایک بار آدمی بھی بھیجا تھا مگر انھوں نے یہ کہلوا دیا کہ میں خود آ کر ملوں گا اور اس کا جواب دوں گا۔

گلشن عشق کی بابت آپ نے جو سطر ایک لفافے کی پشت پر تحریر فرمائی تھی، اس کا

ضروری حصہ ڈاک خانے کی مہر میں آ گیا اور باوجود کوشش کے مجھ سے پڑھا نہ گیا۔ اگر اس میں کوئی بات ضروری اور جواب طلب تھی، تو عنایت فرما کر پھر لکھ دیجیے۔ خدمتِ عالی میں جواب بھیج دوں گا۔

آپ کی تقریرِ بمبئی کا نہایت مختصر بلکہ ادھورا سا دھورا اقتباس بمبئی کے اخبار انڈین ڈیلی میل میں آیا تھا۔ میں نے صرف اسی کو دیکھا ہے۔ اگر آپ کا لکچر طبع ہوا ہو یا اُس کی کوئی فالتو کاپی آپ کے پاس موجود ہو تو عنایت فرما کر اسے میرے پاس بھیج دیجیے اور اگر آپ کی مرسلہ کاپی فالتو نہ ہوئی تو دیکھنے کے بعد میں اسے آپ کے پاس واپس بھیج دوں گا۔

امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیریت ہوگا۔

خادم

سید سجاد

☆

میرے لیے یہ باعثِ افتخار بھی ہے اور سرمایۂ سعادت بھی کہ ڈاکٹر صدیقی مرحوم جس مجموعے کو بہت زیادہ تعلق خاطر کے ساتھ طویل مدت تک چھپوانے کی فکر کرتے رہے، میری ناچیز کوشش کے نتیجے میں وہ متعدد ضروری اجزا کے ساتھ ۱۹۹۴ء میں شائع ہو سکا تھا۔ معلومات کی کمی کی وجہ سے اس کے مقدمے میں بعض امور کی صحیح طور پر نشان دہی نہیں ہو سکی تھی۔ اب ادارہ یادگار غالب (کراچی) کے اربابِ حل و عقد کی عنایت سے مجھے یہ موقع ملا کہ نئی معلومات کی روشنی میں اس کا مقدمہ از سرِ نو لکھوں اور اس طرح اس مجموعے کو بہتر طور پر اور مکمل طور پر پیش کر سکوں۔ اس طرح پچھلی اشاعت (مکتبہ جامعہ، نئی دہلی، ۱۹۹۴ء) کی عرض مرتب میں اور مالک رام صاحب کے مقدمے میں جو غلطیاں راہ پا گئی تھیں، ان کی مکمل طور پر تصحیح کی جا سکے اور اس طرح مرزا غالب کے منتخب کلام نثر و نظم کا ایک اہم مجموعہ بہتر طور پر پیش کیا جا سکے۔

مالک رام صاحب کا مقدمہ اور حواشی، یہ دونوں چیزیں اس مجموعے کے سوا کہیں اور

نہیں چھپیں۔ میں نے یہ مناسب نہیں خیال کیا کہ اب یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ ان کے مقدمے میں بعض باتیں صحیح طور پر بیان میں نہیں آپائی ہیں؛ ان کے مقدمے کو شامل نہ کروں۔ مسلم صدیقی نے یہ سب کاغذ میرے پاس بھیجے تھے، یہ مقدمہ انھی نے لکھوایا تھا؛ یوں اس کا شامل رہنا تو ضروری تھا؛ البتہ میں نے یہ ضرور کیا کہ ''عرضِ مرتب'' میں ایسے مقامات کی نشان دہی کردی ہے اور میری رائے میں یہ کافی ہے۔ صدیقی صاحب مقدمہ تو لکھ نہیں پائے تھے، یوں بھی مالک رام صاحب کے مقدمے کے شامل ہونے اور شامل رہنے کا جواز موجود ہے۔ مسلم صاحب نے مالک رام صاحب سے فرمایش کر کے حواشی لکھوائے تھے، اس لیے صدیقی صاحب کے حواشی کے ہوتے ہوئے بھی ان کی شمولیت کا جواز موجود ہے۔ سب سے بڑا جواز یہ ہے کہ مالک رام صاحب نے اپنے انداز سے حواشی لکھے ہیں جن سے بعض باتوں کی بہتر طور پر وضاحت ہوتی ہے۔

مرحوم صدیقی صاحب نے متن کی کتابت اپنی نگرانی میں اور مالک رام صاحب کے مقدمہ و حواشی کی کتابت مسلم صاحب نے اپنی نگرانی میں کرائی تھی، یوں میں نے ان تینوں تحریروں کو جوں کا توں رکھا ہے۔ یہ چند صفحے ''عرضِ مرتب'' کے عنوان سے محض اس لیے لکھے گئے ہیں کہ بعض امور کی وضاحت ہو جائے اور بعض غلط فہمیاں رفع ہو جائیں۔ آخر میں مخطوطے کا عکس بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ اس سے اس مجموعے کے وقار اور اعتبار میں اضافہ ہوگا۔ جامعہ اڈیشن میں اس کا عکس بہت صاف اور واضح طور پر آیا ہے؛ توقع کرتا ہوں کہ زیرِ نظر اشاعت میں بھی اس کی وہ خوبی برقرار رہے گی۔

ہاں، ایک ضروری وضاحت تو رہ گئی۔ مخطوطے میں اس کا کوئی نام نہیں، اور کیوں ہوتا، مرزا غالب نے اس کا کوئی نام لکھا ہی نہیں تھا۔ مسلم صاحب نے جو کاغذات میرے پاس بھیجے تھے، ان میں کئی جگہ اسے ''انشاے غالب'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے؛ اس سے کچھ ایسا خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ نام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم کا تجویز کیا ہوا ہوگا۔ غالباً اسی نسبت سے مالک رام صاحب نے اپنے مقدمے میں اسے ''انشاے غالب'' کے نام سے موسوم کیا ہے (راشد صاحب

نے اس کا نام ''انتخاب غالب'' رکھا تھا اور رضا صاحب نے اس کا نام ''انتخاب رقعات و اشعار غالب'' مناسب سمجھا)۔ میں نے ''انشائے غالب'' کو مرجح خیال کیا ہے، اس لیے یہ مجموعہ اسی نام سے شائع کیا گیا تھا (مکتبہ جامعہ اڈیشن) اور اسی نام سے شائع کیا جاتا ہے۔

بڑی ناانصافی ہوگی اگر میں اس کا اعتراف نہ کروں کہ اس مجموعے کی ترتیب کے سلسلے میں محب مکرم ڈاکٹر مختار الدین احمد نے بہت اصرار کیا، کئی تاکیدی خط لکھے۔ ایک خط میں لکھا تھا:

> بہ ہر حال رقعات و اشعار غالب کا نیا اڈیشن نکلنا چاہیے اور اُسے آپ نکالیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور مالک رام، دونوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی۔ اگر آپ کی توجہ سے یہ رسالہ شائع ہوگیا، تو چوں کہ میں روح کی بقا کا قائل ہوں، یقین رکھتا ہوں کہ دونوں کی روحیں آپ سے خوش ہوں گی''۔

توقع کی جاتی ہے کہ غالب شناسوں کے حلقے میں انشائے غالب کی اس نئی اشاعت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

شاہ جہان پور — رشید حسن خاں

۸ جون ۲۰۰۱ء

حواشی:

۱۔ مالک رام: مقدمہ۔

۲۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے حواشی میں اور مالک رام کے مقدمے اور حواشی میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۳۔ کالی داس گپتا رضا صاحب نے لکھا ہے: ''اس بات کی بھی کوئی تصدیق مجھے نہیں ہوسکی کہ کتاب غالب نے مولوی ضیاءالدین خاں کی فرمایش پر لکھی تھی'' (انتخاب رقعات و اشعار غالب، ص ۳)۔

۴۔ اس سلسلے میں مالک رام صاحب نے اپنے مقدمے میں یہ لکھا ہے: ''معلوم نہیں مولوی ضیاءالدین خاں نے

جب غالب سے یہ انتخاب طلب کیا ہے تو اُن سے کیا کہا تھا، لیکن غالب کی شروع اور آخر کی نثروں کے دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ اُن کے خیال میں یہ چیز میکلوڈ صاحب فنانشل کمشنر بہادر پنجاب کے پیش ہونے والی (کذا) تھی، اِسی لیے اُنھوں نے دیباچے میں حسبِ عادت اپنا حسب نسب بیان کرنے کے بعد کچھ مطالبات بھی پیش کر دیے"۔

۵۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد نے میرے نام ایک خط میں لکھا تھا: "انتخاب غالب کا اصل نسخہ ڈاکٹر صدیقی مرحوم نے مجھے دکھایا تھا۔ بمبئی کے ایک کارخانے میں وہ طباعت کا ذکر بھی فرماتے رہے۔ یہ کسی وجہ سے ممکن نہ ہو سکا تو خود اُنھوں نے اشاعت کے لیے اُس کی کتابت کرائی۔ ایک بار الٰہ آباد گیا تو وہ اجزا اُنھوں نے دکھائے"۔ اِس سے اِس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ مرحوم اسے بمبئی میں چھپوانا چاہتے تھے۔ یہ بھی متیقن ہو جاتا ہے کہ بعد کو اصل مخطوطے کی کتابت اُنھوں نے خود ہی کرائی تھی (جسے انشائے غالب کے جامعہ اڈیشن میں اور زیرِ نظر اشاعت میں شامل کر لیا گیا ہے)۔

۶۔ میرے سامنے اصل خط کی نقل ہے جو ڈاکٹر صدیقی کے صاحب زادے مسلم صدیقی صاحب کے قلم سے ہے۔ خط طویل ہے، مگر اُس کا بیش تر حصہ دوسرے معاملات سے متعلق ہے۔ میں نے ضروری عبارت نقل کی ہے۔ یہ مکمل خط رسالہ نقوش (لاہور) کے خطوط نمبر کی تیسری جلد میں ۱۹۶۸ء میں چھپ چکا ہے۔ مطبوعہ خط اور اس کی محولۂ بالا نقل کے متن کا جب میں نے مقابلہ کیا تو دونوں میں کچھ فرق نہیں پایا۔ اِسی خطوط نمبر کی تیسری جلد میں صدیقی صاحب کا ایک اور خط بھی چھپا ہے جو عرشی صاحب کے نام ہے، مورخہ ۸/ ستمبر ۱۹۴۳ء۔ یوں تو اُس مکتوب (بنام عرشی صاحب) میں بھی "انتخاب غالب" کا ذکر آیا ہے، مگر اُس میں ایسی کوئی بات نہیں جو اِس بحث میں ہمارے کام کی ہو۔ اِس لیے میں نے اِس مکتوب بنامِ مالک رام صاحب کو اِس لحاظ سے پہلا خط کہا ہے۔

۷۔ مالک رام صاحب کی کتاب "ذکرِ غالب" کے چوتھے اڈیشن (مکتبۂ جامعہ، ۱۹۶۴ء) میں تصنیفاتِ غالب کے تحت صرف یہ عبارت ملتی ہے: "غالب نے جو نسخہ مولوی ضیاء الدین خاں کے لیے لکھوایا اور اُنھیں دیا تھا۔ یہ اُن کے کتاب خانے سے دست یاب ہوا اور کسی طرح عارضی طور پر جناب محمد عبدالرزّاق صاحب کے ہاتھ آ گیا، اُنھوں نے اسے مرتب کر کے۔۔۔ شائع کر دیا۔" (ص ۲۱۸)

۸۔ "تذکرۂ معاصرین" حصہ دوم کے مقدمے میں اُنھوں نے لکھا ہے: "میرے نزدیک ہر جگہ حوالہ دینے کی

ضرورت نہیں ہے۔ جو اصحاب اِس کے خلاف رائے رکھتے ہیں، میں اُن پر بھی اعتراض نہیں کرسکتا۔ وہ اُن کا طریقۂ کار ہے اور یہ میرا''۔ اس سے پہلے تذکرۂ معاصرین حصہ اول پر میرا تبصرہ شائع ہو چکا تھا اور بہ ظاہر یہ بات اُسی سلسلے میں لکھی گئی ہے۔

۹۔ بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے بعد لفظ ''پاس'' لکھنے سے رہ گیا ہے۔

۱۰۔ بہ ظاہر ''آئیں گے'' ہونا چاہیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''گے'' لکھنے سے رہ گیا ہے۔

۱۱۔ اِس خط میں سنہ موجود نہیں۔ اس کی پیشانی پر ''(۱۹۲۶ء)'' لکھا ہوا ہے اور یہ غالباً ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے قلم سے ہے۔

۱۲۔ سنہ مذکور نہیں۔ اوپر بائیں طرف ''(جنوری ۱۹۲۷ء)'' مرقوم ہے۔ یہ غالباً ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے قلم سے ہے۔

مقدّمہ

مالک رام

مرحوم دلی کالج میں عربی کے ایک پروفیسر تھے، مولوی ضیاء الدین خاں۔ انھوں نے تعلیم بھی دلی کالج ہی میں پائی تھی۔ عربی میں مولوی مملوک العلی نانوتوی کے شاگرد تھے۔ ان کے علاوہ مفتی صدر الدین خاں سے فارسی پڑھی۔ وہ منشی ذکاء اللہ اور ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ساتھ کے پڑھنے والوں میں سے تھے۔ تینوں نے بڑا نام پایا۔ تینوں شمس العلماء کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اور مولوی ضیاء الدین خاں کو اڈنبرا یونی ورسٹی (انگلستان) کی طرف سے ایل ایل ڈی کی اعزازی سند بھی ملی۔

ان کا نام ڈپٹی نذیر احمد کے نام سے ایک اور طرح سے بھی وابستہ ہے:

یہ دونوں دلی کالج میں تعلیم کے آخری درجے میں تھے، اور ان کی تکمیل کا زمانہ قریب تھا۔ ان ایام میں سر رچرڈ ٹمپل (جو بعد کو گورنر ہوئے) پنجاب کے ضلع گجرات کے ڈپٹی کمشنر تھے، انھوں نے اپنے ضلعے میں تعلیم کی توسیع کا ایک منصوبہ بنایا۔ اس وقت یہاں یوپی میں (جو اس وقت ممالکِ شمال وغرب کہلاتا تھا) تعلیم کے محکمے کے کرتا دھرتا ہنری اسٹوارٹ ریڈ تھے۔ ٹمپل نے ریڈ کو لکھا کہ میں یہاں ضلع گجرات کے مختلف شہروں میں مدارس جاری کرنا چاہتا ہوں؛ ان میں پڑھانے کے لیے مجھے چھے (۶) مولوی درکار ہیں: ان کا انتظام کر دیجیے۔ دلی کالج بھی ریڈ صاحب کے دائرۂ اقتدار میں تھا۔ لہٰذا ریڈ نے پرنسپل صاحب کو لکھا کہ ٹمپل کی فرمایش پوری کی

جائے اور چھے مولوی صاحبان پنجاب بھیج دیے جائیں۔

یہ خبر یہاں کالج میں بھی پھیل گئی۔ نذیر احمد اپنے درجے کے بہترین طلبہ میں سے تھے؛ امتحان میں ہمیشہ اول یا دوم رہتے۔ انھیں یقین تھا کہ ان چھے کے انتخاب میں میرا نام ضرور آنا ہی چاہیے؛ اس لیے انھوں نے کسی طرح کی کوشش نہیں کی اور اپنی جگہ مطمئن بیٹھے رہے۔ اور لوگوں نے ہاتھ پانو مارے اور اپنے آپ کو نامزد کرالیا۔ چنانچہ جب اعلان ہوا، تو نذیر احمد منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے؛ ان کا نام چھے کی فہرست میں نہیں تھا۔ انھیں اس کا بہت رنج ہوا کہ مجھ سے کم استعداد کے لوگ انتخاب میں آ گئے اور مجھے نظر انداز کر دیا گیا ہے لیکن اب خاموش ہو رہنے کے سوا اور کیا کر سکتے تھے! جو اصحاب چنے گئے تھے، ان میں مولوی ضیاء الدین خان بھی تھے، جو اپنے والد شیخ محمد بخش کے اثر و رسوخ کے بل بوتے پر منتخب ہوئے تھے۔

غرض دوسرے اصحاب کے ساتھ مولوی ضیاء الدین بھی پنجاب روانہ ہو گئے۔ لیکن انھوں نے سفر کے دوران میں ہیضہ کیا اور بہت سخت بیمار ہو گئے۔ بارے، دوا دوش سے جان بچ گئی۔ لیکن اب انھوں نے پنجاب کی ملازمت کا ارادہ ترک کر دیا؛ سفر جاری نہ رکھا اور دلی واپس آ گئے۔ اس پر پرنسپل صاحب نے مولوی نذیر احمد کو طلب کیا، اور ضیاء الدین خاں کی جگہ پنجاب جانے کو کہا۔ یہ بھرے بیٹھے تھے۔ انھوں نے چھوٹتے ہی اس ناانصافی کے خلاف اپنے غم، غصے کا اظہار کیا کہ اول مرتبہ مجھے کیوں نظر انداز کیا گیا تھا! بہر حال پرنسپل صاحب نے دل جوئی کی اور سمجھا بجھا کر انھیں راضی کر لیا۔ یہ بھی ضرورت مند تھے، جانے پر آمادہ ہو گئے اور پنجاب چلے گئے۔

مولوی ضیاء الدین خاں منجھلے بیٹے تھے داروغہ محمد بخش کے۔ یہ بستی دارا پور☆ کے رہنے والے اور وہاں کے جاگیر دار گھرانے کے فرد تھے۔ یہ خاندان ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کا طرف دار رہا تھا۔ اس زمانے میں شیخ محمد بخش یہاں دلی میں "داروغہ" کے عہدے پر فائز تھے۔۔۔ قلعہ اور شہر کی خبریں پہاڑی دھیرج پر انگریزی فوج کو پہنچاتے رہے تھے لیکن ان گراں قدر خدمات سے نفع اندوزی شیخ محمد بخش کے نصیب میں نہیں تھی۔ دلی کی فتح کے بعد جس وقت انگریزی فوج شہر میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ بھی تماشا دیکھنے کو اپنے مکان سے باہر نکلے۔ نہ جانے

گورے کو کیا شبہہ گزرا، اس نے ان کے گولی ماردی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ بعد کو انگریز افسر نے اس المناک حادثے پر اپنے رنج و ملال کا اظہار کیا، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ اشک شوئی کے لیے محمد بخش کی خدمات جلیلہ کے جلدو میں ان کے بیٹے ضیاء الدین کو کچھ اراضی جاگیر میں اور خطاب خان بہادر' عطا ہوا۔ اور جب کامل امن قائم ہو گیا، تو انھیں ملازمت بھی مہیا کی گئی۔ اولاً چندے نارمل اسکول میں پڑھاتے رہے بعد کو ۱۸۶۴ء میں دلی کالج میں عربی کی دوس و تدریس ان کے سپرد ہوئی۔ پھر جب ۱۸۷۷ء میں یہ کالج بند ہو گیا، تو وہ اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدے پر متمکن ہوئے، جو اُس عہد میں ہندستانیوں کے لیے سرکاری ملازمت کی گویا معراج تھی۔ بالآخر یہیں سے پنشن پائی۔

مولوی ضیاء الدین خاں نے خاصی لمبی عمر پائی۔ وہ حج کرنے کو گئے تھے وہیں ۱۹۰۷ء میں انتقال کیا۔ انھوں نے اپنی تالیف 'انشاء اردو' (۲: ۸۹) میں اپنا ایک خط شامل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس خط کی تحریر کے وقت تک شادی نہیں کی تھی۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ شادی بہت دیر سے کی ہوگی۔

ان کے چار صاحب زادے تھے۔ سوائے ایک مولوی محمد منور الدین کے کوئی باپ دادا کا نام روشن کرنے والا نہ ہوا۔ محمد منور الدین دریا گنج، دلی میں رہتے تھے۔ صاحب علم آدمی تھے؛ فقہ حنفی میں خاص طور پر اچھی دستگاہ حاصل تھی۔ انھوں نے علمائے حنفیہ کی مستند کتابوں سے اخذ و التقاط کر کے شرع اسلام کا ایک مجموعہ 'فتاویٰ عثمانیہ' کے نام سے مختلف حصوں میں شائع کرنا شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے غالباً صرف چار حصے منظر عام پر آئے: (۱) کتاب الحج والزیارۃ (۲) کتاب الصوم والاعتکاف (۳) کتاب المیراث (دلی ۱۹۳۴ء/۱۳۵۳ھ) (۴) کتاب النکاح (دلی ۱۹۳۹ء/۱۳۵۸ھ) ان میں سے صرف آخری دو حصے میری نظر سے گزرے ہیں۔ کتاب النکاح کے شروع میں سر شاہ محمد سلیمان کا دیباچہ بھی موجود ہے۔

(۲)

۱۸۶۶ء میں حکومت کی طرف سے مولوی ضیاء الدین خاں کو ایما ہوا کہ وہ اردو کا ایسا

نصاب مرتب کریں، جو نووارد فوجی افسروں کو اردو پڑھانے کے لیے موزوں ہو۔ اس پر انھوں نے مختلف نثر نگاروں کی تحریروں سے مضامین منتخب کیے؛ اور غالب سے درخواست کی کہ وہ اپنے چند خطوط اور کچھ نثر عنایت کریں، تا کہ انھیں مجوزہ نصاب میں شامل کیا جا سکے۔

اس پر غالب نے یہ زیرِ نظر مجموعہ (انشاے غالب) مرتب کیا۔ انھوں نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا: پہلے حصے میں دو دیباچے، ۱۲ خط، دو تقریظیں اور ایک لطیفہ ہے؛ دوسرے حصے میں انھوں نے اپنے اردو کلام سے ۳۱ شعر انتخاب کیے ہیں۔ یہ سب چیزیں تو ان کے پاس موجود ہی تھیں، صرف انتخاب کی ضرورت تھی، اس کے علاوہ انھوں نے ان پر نئے دیباچے اور خاتمے کا اضافہ کیا۔ انھوں نے یہ کتابچہ کاتب سے خوشخط لکھوایا اور نظرِ ثانی کے بعد اسے مولوی ضیاء الدین خاں کے حوالے کر دیا۔

معلوم نہیں، مولوی ضیاء الدین خاں نے جب غالب سے یہ انتخاب طلب کیا ہے تو اُن سے کیا کہا تھا! لیکن غالب کی شروع اور آخر کی نثروں کے دیکھنے سے ایسا لگتا ہے کہ ان کے خیال میں یہ چیز مکلوڈ صاحب فنانشل کمشنر بہادر پنجاب کے پیش ہونے والی تھی۔ اسی لیے انھوں نے دیباچے میں حسبِ عادت، اپنا حسب نسب بیان کرنے کے بعد کچھ مطالبات بھی پیش کر دیے ہیں۔ ان کی یہ درخواستیں تو منظور نہ ہوئیں، البتہ اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ جب اس کے بعد لفٹنٹ گورنر پنجاب نے دربار کیا، تو فوجیوں کے لیے نصاب کی تیاری کے سلسلے میں انھوں نے جو مدد دی تھی، اس کے اعتراف میں انھیں خاص طور پر خلعت عطا کیا گیا۔

مولوی ضیاء الدین خاں نے جو کتاب مرتب کی تھی، اس کا نام انھوں نے ''انشاءِ اردو'' رکھا۔ یہ کتاب دو حصوں میں چھپی تھی: پہلا حصہ ''افسران فوج کے درجۂ ادنیٰ کے امتحان کے واسطے'' ؛ اس میں ۹۰ صفحات ہیں۔ دوسرا حصہ ''افسران فوج کے درجۂ اعلیٰ کے امتحان کے واسطے''؛ یہ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ دونوں حصے پہلی مرتبہ ''شیخ احمد کے اہتمام سے مطبع فیض احمدی میں'' ۱۸۶۶ء میں چھپے تھے۔ بعد کو ایک اور ایڈیشن ۱۸۷۲ء میں لاہور کے ''مطبع سرکاری'' میں بھی چھپا۔

مولوی ضیاء الدین خان نے غالب کا مہیا کردہ سارا مواد استعمال نہیں کیا۔ اس میں سے صرف خطوط ان کی "انشاء اردو" کے دوسرے حصے یعنی "افسران فوج کے درجۂ اعلیٰ" کے نصاب میں شامل ہیں۔ غالب نے اس مجموعے میں ۱۲ خط شامل کیے تھے۔ مولوی ضیاء الدین خان نے ان میں سے صرف دس خط "انشاءِ اردو" میں لیے ہیں، بقیہ تمام مواد نظم و نثر انھوں نے نظر انداز کر دیا۔ لیکن "انشاءِ اردو" (حصہ دوم) میں ایک خط زائد بھی ہے، جو غالب کے اس مجموعے میں نہیں ملتا۔ یہ خط حسب ذیل ہے:

جناب بابو صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان، سلامت

نیاز مہر کیشانہ و دعاے درویشانہ قبول فرمائیں۔ ایک دن پہلے تفقد نامہ اور دوسرے دن نسخۂ اعجاز ہنگامہ پہنچا۔ نظر اس تقدیم و تاخیر پر، خط کو پھول اور کتاب کو پھل سمجھا۔ پھول سے نشاط تازہ اور پھل سے لذت بے اندازہ پائی۔ جامِ جم، جہاں نما ہوگا۔ مگر کیا جانیے کیا ہوگا؛ بلکہ اس میں تردد ہے کہ نہ ہوگا یا ہوگا۔ جام جہاں نما، یہ کتاب ہے، جس سے ہر دیدہ ور بہرہ یاب ہے۔ یہاں تو میں مدح میں قاصر رہا۔ یہ میں نے کیا کہا! جس طرح دیدہ ور پڑھ کر حظ اٹھا سکتا ہے، نابینا بھی سن کر لطف پا سکتا ہے۔ فیض اس کتاب کا عام ہے۔ جامِ جہاں نما اس کا سچا نام ہے۔

اسسٹنٹ کمشنر صاحب بہادر کی خدمت گزاری اور اشاعت عام میں مددگاری ذریعۂ عز و افتخار ہے۔ مگر فقیر میں تین عیب ہیں: ستر برس کی عمر؛ کانوں سے بہرا؛ ہمیشہ بیمار ہے؛ آمد و رفت دوام میں قاصر۔ اور جو تحریر وہاں سے آیا کرے گی، اس کی مشورت میں حاضر رہے گا۔ یہ نہیں ہے کہ نہ جاؤں گا۔ آنکھوں سے جاؤں گا، مگر حسب الطلب یا حسب ضرورت، کارگزار و فرمانبردار رہوں گا۔

بہر صورت تعجب ہے کہ صاحب اسسٹنٹ بہادر نے مجھے یاد

کیوں نہ کیا، یلا کیوں نہ لیا؟ یقین ہے کہ جب آپ یہ خط اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھجوادیں گے تو وہ مجھے بے تکلف بلالیں گے۔"

فقط

عنایت کا طالب غالب

یہ خط کس بابو صاحب کے نام ہے؟ ممکن ہے کہ یہ ماسٹر پیارے لال ہوں، جو پہلے دہلی سوسائٹی کے سکتر تھے اور بعد کو سرکاری ملازم ہو کر ۱۸۶۴ء میں لاہور چلے گئے تھے۔ انھوں نے قیام لاہور کے زمانے میں میجر فلر ڈائرکٹر تعلیم پنجاب کی فرمایش پر دلی کے کچھ ادیبوں سے کتابیں لکھوائی تھیں۔ چنانچہ خود غالب نے "نکات غالب و رقعات غالب" ماسٹر پیارے لال ہی کے کہنے پر مرتب کی تھی۔ اس خط میں غالب نے ایک کتاب "جام جہاں نما" کے پہنچنے کی رسید لکھی ہے۔ میری نظر سے اس عنوان کی ایک کتاب کا دوسرا حصہ گزرا ہے۔ یہ جغرافیے کے موضوع پر ہے اور ایک ہندی کتاب بھوگول ہستا ملک کا ترجمہ ہے۔ ہندی کتاب کے مصنف اور اردو مترجم ایک ہی شخص بابو شیو پرشاد ہیں۔ یہ کتاب مطبع نول کشور، لکھنؤ میں ۱۸۶۰ء میں چھپی تھی۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہاں اسی کتاب کی طرف اشارہ ہے یا کسی اور کی طرف۔ اگر اسی جغرافیہ کی کتاب کا ذکر ہے، تو یہ پرانی شائع شدہ کتاب بھیجنے سے شاید یہ مقصود ہو کہ غالب سے بھی اسی طرح کی کوئی چیز لکھوانا منظور تھا۔ لیکن یہ سب قیاسات ہیں، یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

یہی غالب کا مرسلہ خطی نسخہ مولوی ضیاء الدین خان نے اپنی "انشاء اردو" کے لیے مسودے کے طور پر استعمال کیا تھا اور اسی سے کاتب نے کتابت کی تھی۔ اس میں بعض جگہ حاشیے پر صفحات کے نمبر اب بھی موجود ہیں، جو بالعموم کاتب اپنی یادداشت کے لیے حاشیے میں لکھ دیتا ہے۔ مثلاً خطی نسخے کے ص ۲۰ پر ۸۱ کا نشان ہے؛ ص ۲۲ پر ۸۳ کا نشان ہے اور صفحات کے یہ نشان مطبوعہ "انشاء اردو" (حصہ دوم) کے مطابق ہیں۔

اس کے علاوہ خطی نسخے میں متعدد خطوں کے سامنے حاشیے پر "نقل" "نوشتہ شد" "مقابلہ نمودہ شد" ۔۔ الفاظ ملتے ہیں۔ یہ یا تو خود مولوی ضیاء الدین خان کے قلمی ہیں، یا اس شخص

کے جوان کی طرف سے کتابت کی نگرانی کر رہا تھا۔ ان سے مراد یہ ہے کہ کسی نے کتابت کے بعد اِن کا اصل مسودے سے مقابلہ کرلیا ہے۔

مولوی صاحب موصوف نے خطوں کی عبارت میں حسب منشا تبدیلی کرلی تھی۔ بعض الفاظ کاٹ دیے، کچھ بدل ڈالے، بعض جگہ سطروں کی سطریں خارج کردیں۔ ان سب کی نشاندہی حواشی میں کی جارہی ہے۔ عبارت یا الفاظ بالعموم وہی حذف کیے گئے ہیں، جن میں ولایت سے آنے والے فوجی افسروں کو کوئی دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی، یا جس سے انگریزی نظم ونسق پر حرف آتا تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے املا میں یہ تبدیلی کی کہ جہاں بھی اعراب بالحروف کے اصول کے مطابق غالب نے پیش کی جگہ واو لکھا تھا، انھوں نے اسے حذف کردیا۔ غالب نے ہر جگہ ''مجکو'' لکھا تھا، انشاءاردو میں اس کی شکل ''مجھ کو'' ملتی ہے۔ اسی طرح جہاں غالب نے روپیہ لکھا تھا، انھوں نے اسے روپے بنادیا۔

اس کتاب کی خاص اہمیت یہ ہے کہ یہ خطوط غالب کا سب سے پہلا مجموعہ ہے، اور وہ بھی خود غالب کا مرتب کردہ۔ عودِ ہندی اور اردوے معلّی، دونوں متداول مجموعے بہت بعد ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئے۔ اگرچہ اس کے سب خط میر مہدی مجروح کے نام ہیں، لیکن نہ جانے کیسے، ان میں سے ایک خط بعد کے دونوں مجموعوں میں شامل نہیں ہوا۔ یہ خط نمبر ۱۰ ہے۔ یہ پہلی مرتبہ اسی خطی نسخے سے لے کر مرتب ''انشای غالب'' (ڈاکٹر عبدالستار صدیقی) نے خطوط غالب مرتبہ منشی مہیش پرشاد میں شامل کیا تھا {طبع اول (۱۹۴۱ء): ۲۸۳ (خط نمبر ۴۵)؛ طبع دوم (۱۹۶۲ء): ۳۳۳}

(۳)

حسن اتفاق سے غالب کے انتخاب کا یہ خطی نسخہ ''انشاءاردو'' کی ترتیب واشاعت کے بعد مولوی ضیاءالدین خاں کے ذخیرے میں محفوظ رہا۔ ان کی وفات کے بعد ان کی کتابوں سے یہ برآمد ہوا اور ایک صاحب اسے لے کر حیدرآباد پہنچے۔ وہاں انھوں نے اسے مولوی محمد عبدالرزاق راشد کو دکھایا اور انھیں بتایا کہ وہ اسے بیچنا چاہتے ہیں۔ راشد مرحوم حکومت نظام کے دفتر مال میں

ملازم تھے۔ انھیں ادبی ذوق بھی تھا۔ وہ نسخے کو دیکھ کر اس کی اہمیت تو بھانپ گئے لیکن وہ اس کے لیے کچھ دینا نہیں چاہتے تھے۔ انھوں نے مالک سے کہا کہ اتنے مختصر وقت میں اسے دیکھنا محال ہے، آپ اسے چھوڑ جایئے، میں اطمینان سے دیکھ کر فیصلہ کرسکوں گا کہ آیا اس میں کوئی نئی چیز ہے بھی یا نہیں اور اس کی قیمت کیا ہونا چاہیے۔ بات معقول تھی۔ مالک اس پر راضی ہوگیا اور نسخہ اُن کے حوالے کرکے چلا آیا۔ مختصر سی چیز تھی۔ راشد صاحب نے راتوں رات اس کی نقل لے لی اور جب مالک اگلے دن ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو یہ کہہ کر کہ اس میں کوئی اہم اور نئی چیز نہیں ہے، انھوں نے خطی نسخہ اسے واپس کر دیا۔

اس کے دو چار دن بعد وہ شخص اسے لے کر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس پہنچا۔ یہ ان دنوں وہاں عثمانیہ یونی ورسٹی کالج کے پرنسپل تھے۔ انھوں نے الٹ پلٹ کر اسے دیکھا تو فوراً جان گئے کہ یہ مجموعہ خود غالب کا مرتب کیا ہوا ہے اور اس میں جابجا غالب کے ہاتھ کی تحریریں بھی ہیں؛ اور اس لحاظ سے بہت اہم ہے۔ انھوں نے مالک کو اس کے لیے دس روپے پیش کیے۔ چونکہ راشد صاحب نے اس شخص کو بتایا تھا کہ اس میں کوئی اہم چیز نہیں ہے اور اس میں کا سارا مواد مطبوعہ شکل میں موجود ہے، اس لیے اُس نے ان ۲۹ صفحات کے لیے ڈاکٹر صدیقی کے یہ دس روپے بھی بہت غنیمت خیال کیے، اور ان کی پیش کش قبول کر لی۔ یوں یہ نسخہ ڈاکٹر صاحب کی تحویل میں آ گیا۔

راشد صاحب نے اپنی نقل پہلے تو تین قسطوں میں حیدرآباد کے رسالے ''تحفہ'' میں چھپوائی۔ (اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۲۹ء) اس کے بعد اس پر ایک مختصر دیباچہ لکھ کر اسے کتابی شکل میں بہ عنوان ''انتخابِ غالب'' شائع کیا۔ (چشتیہ پریس، حیدرآباد ۱۹۲۶ء) چونکہ انھوں نے نقل بہت عجلت میں کی تھی، اس لیے اس میں بہت اغلاط رہ گئی تھیں۔ بعض جگہ فقرے تک ساقط ہوگئے، بعض الفاظ غلط لکھے گئے۔ غرض کہ ان کا شائع کردہ متن بہت جگہ مسخ ہوگیا ہے۔

یہ مختصر رسالہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے پاس پڑا رہا۔ وہ مدتوں اس کی طرف ''انتخابِ غالب'' کے نام سے اشارہ کرتے رہے، جیسا کہ خطوطِ غالب (طبع اول) کے شروع میں منشی مہیش پرشاد کے نوشتہ ''دیباچہ'' سے اور اس کے حواشی سے ثابت ہے۔ بہت دن ہوئے میں نے انھیں

توجہ دلائی تھی کہ اسے مناسب طریقے پر مرتب کر کے بہ عنوان ''انشائے غالب'' شائع کر دینا چاہیے لیکن ان کی انتہائی احتیاط کی عادت اور اس پر معیار کی بلندی، کام بہت آہستہ آہستہ ہوا۔ بہر حال جوں توں کر کے کچھ حواشی انھوں نے لکھ لیے تھے؛ وہ غالباً اس پر دیباچے یا مقدمے اور مزید حواشی کا اضافہ کرنا چاہتے تھے کہ بیمار پڑ گئے، جس سے کام بالکل رک گیا۔ اور پھر وہ ''اللہ'' کو پیارے ہو گئے۔ اب اس پر ان کی طرف سے کسی اضافے کا امکان نہیں رہا تھا لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ اسے جوں کا توں شائع کر دیا جائے۔ اور یہی کیا جا رہا ہے۔

(۴)

داستان مکمل کرنے کو آخر میں ایک اور بات بھی لکھ دوں:

غالب نے ۱۸۶۲ء میں ''قاطع برہان'' شائع کی، تو اس پر ملک کے فارسی داں حلقے کی طرف سے ان پر بہت اعتراض ہوئے۔ کئی اصحاب نے کتابیں تالیف کیں۔ خود غالب نے اور اُن کے بعض دوستوں نے بھی جواب لکھے۔ یہ بحث بہت دن تک چلی۔ اسی سلسلے میں غالب نے ایک استفتاء لکھا تھا، جو رسالہ ''سوالات عبدالکریم'' کے ساتھ ۱۸۶۴ء میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے اپنے نظریے کی صحت سے متعلق اساتذۂ دہلی سے تصدیق چاہی تھی۔ منجملہ اور اصحاب کے انھوں نے مولوی ضیاء الدین خان کو بھی تائید کے لیے لکھا تھا۔ چونکہ مطبوعہ استفتاء کے آخر میں موید ین میں ان کا نام نہیں ملتا، اس سے خیال ہوتا ہے کہ غالباً انھیں غالب کے نقطۂ خیال سے اتفاق نہیں تھا، یا انھوں نے کسی اور وجہ سے استفتاء کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کرنا خلافِ مصلحت خیال کیا۔

اس کے باوجود جب ۱۸۶۶ء میں مولوی ضیاء الدین خان نے غالب سے یہ نصاب مرتب کرنے کے لیے علمی امداد کی درخواست کی، تو انھوں نے پوری مستعدی اور ذمے داری سے ان سے تعاون کیا، جس سے یہ زیرِ نظر رسالہ (انشائے غالب) وجود میں آیا۔

جن لوگوں نے غالب کی ''قاطع برہان'' کا جواب لکھا تھا، ان میں ایک صاحب مولوی امین الدین امین بھی تھے؛ انھوں نے اس کے جواب میں ایک کتاب ''قاطع القاطع'' شائع کی تھی۔ اس کتاب میں انھوں نے غالب پر بہت رکیک حملے کیے اور ان سے متعلق بہت شرمناک الفاظ

استعمال کیے تھے۔ ان ہتک آمیز کلمات کی بنا پر غالب نے ۱۸۶۱ء میں مولوی امین الدین پر ازالۂ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ مولوی امین الدین نے اپنی طرف سے صفائی کے جو گواہ پیش کیے، ان میں مولوی ضیاء الدین خاں اپنے علم و فضل اور اثر و رسوخ اور وجاہت کے باعث پیش پیش تھے۔ انھوں نے مدعا علیہ کے بچانے کی خاطر قابلِ اعتراض لفظوں اور جملوں کو نرم کرنے کی کوشش کی۔ وہ ایسی ایسی دور کی کوڑی لائے اور انھوں نے ان لفظوں کے ایسے دور از کار معنی بیان کیے کہ مجسٹریٹ جو انگریز تھا، ضرور بھول بھلیاں میں پھنس گیا ہوگا۔ غالب نے جب یہ رنگ دیکھا، تو انھیں یقین ہو گیا کہ عدالت سے انصاف کی امید نہیں۔ اس پر انھوں نے راضی نامہ داخل کر دیا اور مقدمے سے دست بردار ہو گئے۔ حالی اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

> ''اُن مولویوں کا (جو مولوی امین الدین کی طرف سے بطور گواہ پیش ہوئے تھے) میرزا سے ملنا جلنا تھا۔ کسی نے پوچھا: حضرت! انھوں نے آپ کے برخلاف شہادت کیوں دی۔ میرزا نے اپنا فارسی کا یہ شعر پڑھا:
>
> ہر آں کہ در نگری، جز بہ جنس مائل نیست
> عیار بے کسی من شرافتِ نسبی ست

یہاں میرزا کا اشارہ مولوی ضیاء الدین خاں (اور مولوی سدید الدین) کی طرف ہے، جنھوں نے ان کے خلاف گواہی دی تھی۔

نئی دلی
مالک رام
۲۱ ستمبر ۱۹۷۲ء

☆ داروغہ کا عہدہ آج کل کے تھانے دار کے برابر تھا۔ بستی دارا پور گانو اس سڑک کے شمال میں ہے جو دہلی سے نجف گڑھ کو جاتی ہے۔ اب دلی کی نئی نئی بستیوں میں یہ گانو بھی غائب ہوتا جا رہا ہے، لیکن ہنوز اس کا نام سنا جاتا ہے۔ اس کی بیشتر زرعی زمین پنجابی باغ، موتی نگر اور سدرشن پارک میں آ گئی ہے۔

متن

انشاے غالب

مرتبہ

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہہ کتاب جو دو باب کی ہے حقیقت یہ اس کتاب کی ہی کہ پہلی
باب میں دو دیباچی اور کئی مکتوب ہیں (اور کئی لطیفے) اگر میری لکھی ہوئی نہوتی تو
میں کہتا کہ بہت خوب ہیں دوسرا باب اشعار کا ہی کہ وہ بھی کلام
اسی خاکسار کا ہی اگر کوئی خط اُردو زبان مین لکھا جائی اون اشعار
مین سی شعر محل و مقام کی مناسب درج کیا جائی اور یہہ مجموعہ نذر اوس
جناب رفعت مآب کے ہی جس سے عزت و توقیر فنانشل کمشنری پنجاب کے
مناقب عالیشان علم و اہل علم کی قدردان
ن یگانہ روزگار جنکا مطیع و محکوم ہونا اہل

اہل ہند کو سرمایۂ عز و افتخار والا پایہ عالی رتبہ معلی القاب حضرت
فلک رفعت مکلوڈ صاحب بہادر فنانشل کمشنر بہادر قلمرو پنجاب
پس یہ کتاب اگر اونکی حکم سی چھاپی جائیگی تو صاحبان تازہ وارد
ولایت کی پڑہنی کے کام آئیگی اس کتاب کا نذر کرنی والا جو اپنے
نذر کی قبول ہونیکا طالب ہے نصراللہ بیگ خان بہادر رئیس
سونا کا بہتیجا موسوم بہ اسداللہ خان و متخلص بہ غالب ہے
میری چچا کی سرداری اور ریاست کا حال اور گورنمنٹ بہادر
اعلی سی خاص میری ملازمت اور نذر اور خلعت کی کیفیت
گورنمنٹ اعلی سیکے دفترمین مرقوم ہے اور میری قصیدہ کا جناب
مستطاب لارڈ آلن برا بہادر کی ذریعہ سی وزیر اعظم کی پاس
پہنچنا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بحر و بر ملکۂ معظمہ محتشمہ کے
حضور پرنور مین گزرنا از روی مشاہدہ خطوط آمد ولایت جو بسبیل ڈاک
مجکو ولایت سی آئی ہیں گورنمنٹ بہادر ہندستانکو معلوم ہے
البتہ میں اسکا مستحق ہوں کہ کوئینس پوئیٹ گنا جاؤں اور اس
علاقہ سی ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤں اگر رتبہ بڑہایا نجائے

قدیم عزت مین تو فرق نہ آئی نظم ای جہان آفرین خدای کریم: صانع ہفت چرخ و ہفت اقلیم:: نام منکوڈ جنکا ہی مشہور:: ہمیشہ بصد نشاط و سرور:: عمر و دولت سی شادمان رہین:: اور غالب پہ مہربان رہین:

پہلا دیباچہ

سبحان اللہ خدا کی کیا نظر فروز صنعتین ہین تعالی اللہ کیا حیرت آور قدرتین ہین یہ جو حدائق العشاق کا فارسی زبان سی عبارت اردو مین نگارش پاتا ہی آرم کا زمین دنیا سی ادھکر بہارستان قدس کا ایک بلغ بن جاتا ہی وہان حضرت رضوان ارم کی نخلبند و آبیار ہوئی یہان مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور حدائق العشاق کی صحیفہ نگار ہوئی اس مقام پر یہہ ہیچمیز جو موسوم بہ اسد اللہ خان اور مخاطب بہ نجم الدولہ اور متخلص بہ غالب ہے خدائے جہان آفرین سی توفیق کا اور خلق سی انصاف کا طالب ہے ہان ای صاحبان فہم و ادراک سرور سحر بیان کا اردو کی نثر مین کیا پایہ ہے اور اس بزرگوار کا کلام شاہد معنی کیواسطی کیا گران بہا پیرایہ ہے نظم رزم کی داستان گر سنیئے:: ہی زبان ایک تیغ جوہردار:: بزم کا

بزم کا التزام گرکبھی.: ہی قلم ایک ابرگوہر بار :مجکو دعوی تہا کہ انداز
بیان وشوخی تقریر میں فسانۂ عجائب بی نظیرہی جس نے میری دعویکو
اور فسانہ عجائب کی یکتائی کو مٹایا وہ یہہ تحریری کیا ہوا اگر ایک
نقش دوسرے کا ثانی ہی یہہ تو ہم کہہ سکتی ہیں کہ نقاش لاثانی ہی مانے
نقاش بمعنی صورتیں بناکر پیمبری کا دعوی کری کیا عقل کے کمی ہی یہ بندۂ
خدا معنی کے تصویر کہینچکر دعوی خدائی نکری کس حوصلہ کا آدمی ہی
سچ تو یوں ہی کہ جناب مہاراجہ صاحب والامناقب عالیشان
ایسری پرشاد نارائن سنگہ بہادر جس باغکی آرایش کے کارفرما ہون
اور پہر اوسپر طرہ یہ کہ مرزا سرور چمن آرا ہوں وہ باغ کیسا ہوکا
بہشت نہوکا تو اور کیا ہوکا کوئی نہ کہی کہ یہ درویش گوشہ نشین فضول
وسبکسر کیون ہی آپ دیکہی بہالی حضور کا ثناگستر کیون ہی صاحبو
حاتم سسی ہمنی کیا دولت پائی ہی کہ اوسکی سخاوت کی شاکرتی ہین
رستم سی کہان شکست کہائی ہی کہ اوسکی شجاعت کا ذکر کیا کرتے
ہین معہذا جناب مہاراجہ صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان
بابو پرسدہ نرائن کا مورد عنایت رہا ہون جن دنون وہ دلی مین

تشریف لائی ہین اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہون جب ناشناسائی
اور بیگانگی درمیان نہو تو آونکا نیازمند کیون نہو آنکا ثنا خوان نہو
نہین نہین میرا کیا منہ ہی ثنا خوانی کا ہین تو عاشق ہون اونکی شاعر پروری
وسخندانی کا حضور نے قدردانی کے سرور پر گہرفشانی کی حضور کا اقبال
سرور کا کمال حضور کی عالی ہمتی سرور کی خوش قسمتی انشاء اللہ تعالے
یہ نقش صفحہ روزگار پر یادگار رہیگا مصنف کا شہرہ رنگین بیانیمیں
مہاراج عالی جاہ کا نام فیض رسانی مین تا روز شمار رہیگا......

دیباچہ دوسرا

سبحان اللہ شاہد زیبای سخن کا حسن بیمثال شاہد اوسکا نورافزای
نگاہ تصور اوسکا انجمن افروز خیال از روی لفظ اہل معنی کے نظر میں آئینہ عارض
جمال من حیث المعنی بصورت صنعت قلب کلام کا مقلوب یعنی کمال
اگر نفس ناطقہ کو حق نے بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو اوس صورت
میں ہم کیونکر کہیں کہ کیا ہوتا اس لعبت دلفریب کے نظارگی بی بادہ مست
ہو جاتے اور یہہ پیکر ہوش ربا دیکہکر اہل معنی یکقلم صورت پرست ہو جاتے
نظم مین اور ہی روپ نثر میں اور ہی ڈہنگ فارسی مین اور ہی زمزمہ

زمزمہ اردو مین اور ہی آہنگ سیر و تواریخ مین وہ دیکھو جو تم نے
سینکڑوں برس پہلی واقع ہُوا ہُوا افسانہ و داستان مین وہ کچھہ سنو
کہ کبھی کسی نے نہ دیکھا ہو نہ سُنا ہُو ہر چند خردمندان بیدار مغز تواریخ
کیطرف بالطبع مایل ہونگی لیکن قصہ کہانی کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے
بھی دل میں قایل ہونگی کیا تواریخ مین ممتنع الوقوع حکایات نہیں نا انصافی
کرتے ہو یہ کچھہ بات نہین سام اپنی فرزند کو پہاڑ پر پھکوای سیمرغ
اوسکو اپنی گھونسلی مین اوٹھا لائی پرورش کرکی پہلوان بنائی آداب
حرب و ضرب سکھای پھر جب رستم اسفندیار کی لڑائی سی گھبرائی تو
زال اوس اسم بی مسمی کو بُلای سیمرغ گردان کبوتر کیطرح سیٹھی کے آواز
سنتی ہی چلا آئی اور اپنی بیٹ کی لیپ سے یا اور کسی دوا سی رستم کے
زخم اچھی کرکے ایک تیر دو شاخہ دیکر تشریف لیجای رستم دس برس کی عمر مین
مست ہاتھی کو ہلاک کری جب چشم بد دور جوان ہو تو دیو سپید کو تہہ خاک
کری فرعون کا دعوی خدائی مشہور ہی شداد و نمرود کا بھی تواریخ میں ایسا
مذکور ہی اگر اہل طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزۂ دیوکش رستم جیسا
قرار دین اور ایک زمردشاہ گمراہ دعوی خدائی کرنی والا مثل نمرود گھڑ لین

تو گویا ایک ڈہکوسلا بنایا ہی مگر اچہا بنایا ہی اونہیں روایات کا چربا اوڑھایا ہی
مگر اچہا اوڈہایا ہی موعظت و پند نہیں ترہات ندیمانہ ہی سیر و اخبار نہین
جہوٹا فسانہ ہي داستان طرازی منجملہ فنون سخن ہے پسچ تو یہ ہی کہ دل
بہلانے کی لئی اچہا فن یہ ہے عمر کے عیاریان دیکہو حمزہ کی میدان داریان دیکہو
جامع ان حکایات کا کوئی سخنور ایران کا ہی مگر وہ میر تقی محمد شاہی جو ندیم موتمن
الدولہ اسحق خان کا ہی اوسنی بوستان خیال مین کچہ اور تماشا دکہلایا گویا
باغِ ارم کو ہندستان مین اوٹہا لایا اون قصص میں سی ایک جلد ہی معز نامہ
واہ ری بزم و رزم و سحر و طلسم و حسن و عشق کے گرمئ ہنگامہ معز الدین کی طلسم
کشائیان اگر سنین تو امیر حمزہ کے یہ صورت ہو کہ اپنی صاحبقرانی کو ڈہونڈتے
پہرین اور کہین پتا نہ پائین ابو الحسن کے عیارونکی جوہر اگر دیکہیں تو خواجہ عمرو
کو یہ حیرت ہو کہ زیرہ سی آنکہیں کہلی کے کہلی رہ جائین درتیولا امیرا برادرزادہ
سعادت تواماں خواجہ بدالدین خان عرف خواجہ امان کہ وہ ایک
جوان شیرین بیان تیز ہوش اور ہر فن کے کمال کے تحصیل میں سختی کش
و سخت کوش ہی ستار کا خیال جو آیا تو ایسا بجایا کہ میان تان سین
کو انگلیو نپر نچایا مصوری کیطرف جو طبیعت آگئی تو وہ تصویر کہینچی کہ اوسکو

کھینچی کہ اوسکو دیکھکر مانی و بہزاد کو حیرت آئی اوس اقبال آثار کا یہہ
ارادہ ہوا معزنامہ کی فارسی سے اُردو کرنی پر آمادہ ہوا معز الدین
فیروز بخت کی کشور کشائیان ابوالحسن جوہر کی نیرنگ نمائیان
عجائبات حکیم قسطاس کے حیرت فزائیان ملکہ نوبہار کی رنگین ادائیان
جمشید خود پرست کی زور آزمائیان صنار منکوس منحوس کے بیحیائیان
مسلمین و کفار کی لڑائیان مسلمانون کی بہلائیان کافرون کے
برائیان فارسی سی اُردو مین لی آیا یوں تصور کرو کہ قلم اردو مین
ایک قصر دلکشا یا ایک خانہ باغ روح افزا سراسر بنایا عبارت آرائی
کو ترک کیا ہی گویا تقریر کو پیرایۂ تحریر دیا ہی بعد اختتام نگارش
غالب فلک زدہ سی دیباچہ لکھنی کے آرزو کی مین نی ہر چند عجز آمیز
و معذرت انگیز گفتگو کی بیداد گرنی ایک بات نسُنی اور ایک عذر
نمانا بہلا اس اصرار کا کیا علاج اور اس ضد کا کیا ٹھکانا ناچار
بجز خامہ فرسائی کچھ بن نہ آئی اس دیباچہ کی انجام کا کوئی ڈہنگ نظر
نہ آیا عالم ارواح کو سیدہا چلا گیا اور حضرت نظامی سی ایک شعر
مانگ لیا اوسی شعر شعری شعار کو خاتمہ مین لکہہ دیتا ہون بہت

تہک گیا ہون اب دم لیتا ہون نظم شکر کہ این نامہ بعنوان رسید:

پیشتر از عمر بپایان رسید:.

رقعہ

ہانصاحب تم کیا چاہتی ہو کیا لکہون تم میری ہمعمر نہیں جو سلام لکہون مین فقیر نہین جو دُعا لکہون تمکو وہ محمد شاہی روشین پسند ہین کہ یہان خیریت ہی وہانکی عافیت مطلوب ہے برخوردار سچ کہیو اگلونکی خطوط کے تحریر کی یہی طرز تہے یا اور واہ کیا شیوہ ہی اور پہر جب تک یون نہ لکہو گویا وہ خط ہی نہین ہے چاہ بی آب ہے ابر بی باران ہی نخل بمیوہ ہے خانۂ بی چراغ ہی چراغ بی نور ہی ہم جانتی ہین کہ تم زندہ ہو تم جانتی ہو کہ ہم زندہ ہین امر ضروری کو لکہہ لیا زوایدکو موقوف کیا میر نصیر الدین ایکبار آئی تھی پہر نہ آئی۔ نثر فارسی نئے مین نے کہان لکہی کہ تمہاری چچا کو یا تمکو بہیج دون نواب فیض محمد خان کی بہائی حسن علیخان مرگئے حامد علیخان کے ایک لاکہہ تیس ہزار کئے سو روپیہ کی ڈگری بادشاہ پر ہوگئی۔ کلو داروغہ بیمار ہوگیا تہا آج اوسنی غسل صحت کیا باقر علیخان کو مہینا بہر سی تپ آتی ہی حسین علیخاں کے گلی میں دو غدود

[illegible]

غدود ہوگئی ہین شہر چپ چاپ نہ کہین پہاوڑا بجتا ہی نہ سرنگ
لگا کر کوئی مکان اوڑایا جاتا ہی نہ آہنی سرک آتی ہی نہ کہین دمدمہ بنتا ہے
دلّی شہر خموشان ہی کاغذ نبڑ کیا ورنہ تمہاری دلکی خوشی کیواسطی اَبہی
اور لکہتا یکشنبہ ۲۲ سپٹمبر

رقعہ

بہائی تم تو لڑکون کی سی باتین کرتی ہو جو ماجرا مین نے سنا تھا وہ البتہ
موجب تشویش تھا تمہاری تحریر سی وہ تشویش رفع ہوگئی پہر تم کیون
ہای واویلا کرتے ہو اوپر کا حاکم موافق ہے ماتحت کا حاکم جو مخالف تہا سو گیا
پہر کیا قصہ ہی قاطع برہان کی مسوّدی سب مین نی پہاڑ ڈالی اسواسطی کہ
ہر نظر مین اوسکی صورت بدلتی گیئے وہ تحریر بالکل مغشوش ہوگئی ہان اوسکے
نقلین صاف کہ جسمین کسیطرح کی غلطی نہین نوابصاحب نے کرلین ہین ایک
~~میری واسطی ایک ضیاء الدینخان کی واسطی~~ بہائی میری ملک کے جو کتاب ہے اوسکی
جلد بندہ جای تو بطریق مستعار تمکو بہیج دون گا تم اوسکی نقل لیکر میری
کتاب مجکو پہیر دینا اور یہہ امر بعد محرّم واقع ہوگا مگر یہہ یاد رہی کہ جو
صاحب اسکو دیکہینگی وہ ہرگز نہ سمجہینگی صرف برہان قاطع کی نام پر جان دینگی

کئی باتین جس شخص مین جمع ہونگی وہ اوسکو پانیگا پہلی تو عالم ہو دوسرے فن لغت
کو جانتا ہو تیسرے فارسی کا علم خوب ہو اور اس زباندانی اوسکو لگاو ہو
اساتذۂ سلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہو اور کچھہ یاد بھی ہو چوتھی منصف
ہو ہٹ دہرم نہو پانچوین طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو معوج الذہن اور کج
فہم نہو نہ یہہ پانچ باتین کسی مین جمع ہونگی اور نہ کوئی میری محنت کی داد دیگا
فہمایش کا لفظ میان بدہا ولد میان جما اور لالہ گنیشی داس ولد لالہ بہیرون ناتہہ
کا کہڑا ہوا ہی میری زباندانی کبہی تمنی سُنا ہی اب تفصیل سنو امر کی صیغہ کے
آگی شین آتا ہی تو وہ امر معنی مصدری دیتا ہی اور اس شین کو حاصل بالمصدر
کہتی ہین سوختن مصدر سوزد مضارع سوز امر سوزش حاصل بالمصدر
اسیطرح ہین خواہش و کاہش و گزارش و گدازش و آرایش و پیرایش و فرمایش
فہمیدن فارسی الاصل نہیں ہی مصدر جعلی ہے فہم لفظ عربی الاصل ہے طلب
لفظ عربی الاصل ہے انکو موافق قاعدۂ تفریس فہمیدن و طلبیدن کرلیا ہے
اور اس قاعدہ میں یہہ کلیہ ہی کہ لغت اصلی عربی آخر کو امر بن جاتا ہی فہم
یعنی لفہم سمجھہ طلب یعنی لطلب مانگ فہمد مضارع بنا طلبد مضارع بنا خیر یہہ
فرض کیجی کہ جب منے مصدر اور مضارع اور امر بنایا تو اب حاصل بالمصدر

بالمصدر کیون نہ بنائیں سنو حاصل بالمصدر فہمش اور طلبش چاہئی فہم تہا
صیغۂ امر فہمیدن سی نکلا تہا الف اور یی کہانسی لایا فہمای تو نہین جو فہمایش
درست ہو کہین فرمایش کو اسکا نظیر گمان نکرنا وہ مصدر اصلی فارسی
فرمودن ہی فرماید مضارع فرما ہی امر حاصل مصدر فرمایش زیادہ نیادہ۔

رقعہ

لو میان سیدزادۂ آزادہ دلّی کے عاشق دلدادہ ڈہی ہوئی اُردو
بازار کی رہنی والی حسد سی لکہنو کے بُرا کہنی والی نہ دل مین مہر و آزرم نہ آنکہہ
مین حیا و شرم نظام الدین ممنون کہان ذوق کہان مومن خان کہان
ایک آزردہ سو خاموش دوسرا غالب وہ بیخود و مدہوش نہ
سخنوری رہی نہ سخندانی کس برتی پر تتا پانی ہای دلّی وای دلّی
بہاڑ مین جای دلّی سنو صاحب پانی پت کی رئیسوں مین ایک شخص
ہین احمد حسین خان ولد سردار خان ولد دلاور خان اور نانا اوس
احمد حسین خان کی غلام حسین خان ولد مصاحب خان اس شخص کا
حال ازروی تحقیق مشرح اور مفصل لکہو قوم کیا ہی معاش کیا ہی طریق
کیا ہی احمد حسین کی عمر کیا ہی لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے طبیعت کا

کیا ڈہنگ سے بہائی خوب چہانکر لکہو اور جلد لکہو ۱۲ پنجشنبہ ۲۳ مئی سنہ ۱۸۶۱ء

رقعہ

سید صاحب اچہا ڈہکوسلا نکالا ہی القاب کے شکوہ سے شروع کردینا
اور میر نصیر صاحب کو اپنا ہمزبان کرلینا ہی میر مہدی نہیں کہ میر نصیر صاحب
پر مرتا ہوں میر سرفراز حسین نہیں کہ انکو پیار کرتا ہوں علی کا غلام اور
سادات کا معتقد اور حسین تم ہی آگئی کمال یہہ کہ میر نصیر صاحب سے محبت
قدیم ہی دوست ہوں عاشق زار نہیں بعدہ مہر و وفا ہوں گرفتار نہیں
تمہاری بہائی نے سخت مشوش بلکہ نعل* در آتش کر رکہا ہی ایک سلام
اصلاح کیواسطی بہیجا اور لکہا کہ محرم کے بعد میں بہی آونگا میں نے سلام
رہنی دیا اور منتظر رہا کہ ڈاک میں کیوں بہیجوں وہ آئینگی تو یہیں انکو
دی دونگا محرم تمام ہوا آج سہ شنبہ غرہ صفر ہی حضرت کا پتا نہیں خیر ہا
برسات نی آنی ندیا برسات کا نام آگیا تو پہلی تو مجملاً سنو ایک
غدر کالونکا ایک ہنگامہ گورونکا ایک فتنہ انہدام مکانات کا
ایک آفت وبا کی ایک مصیبت کال کی اب یہہ برسات جمیع
حالات کی جامع ہی اکیسواں ۲۱ دن ہی آفتاب اسطرح گاہ گاہ نظر آجاتا ہے

نوشتہ شد مقابلہ نمودہ شد

* بیقرار

آجاتا ہی جسطرح بجلی چمک جاتی ہی رآتکو کبھی کبھی تاری اگر دکھائی دیتی ہین تو لوگ اونکو جگنون سمجھ لیتے ہیں اندھیری راتون مین چورونکی بن آئی ہی کوئی دن نہین کہ دو چار جگہہ کے چوری کا حال نہ سنا جاۓ مبالغہ نہ سمجھنا ہزارہا مکان گر گئے سینکڑون آدمی جابجا دب کر مر گئے گلی گلی ندی بہہ رہی ہی قصہ مختصر وہ ان کال تھا کہ مینہہ نہ برسا نہ غلہ پیدا ہوا یہ تن کال ہے پانی ایسا برسا کہ بوۓ ہوئے دانی بہہ گئے جنہوں نے ابہی نہین بویا تہا وہ بونی سی رہ گئے سن لیا دلّی کا حال اسکی سوا کوئی نئی بات نہین ہے جناب میرن صاحب کو دعا زیادہ کیا لکھوں شنبہ یکم صفر و ۲۹ جولائی سال رستاخیز* ۱۲۷۸

رقعہ

نقل

بھائی کیا پوچھتی ہو کیا لکھوں دلّی کے ہستی منحصر کئی ہنگاموں پر تہی قلعہ چاندنی چوک ہر روزہ بازار مسجد جامع کا ہر ہفتہ سیر جمنا کی پل کے ہر سال میلہ پہول والونکا یہہ پانچون باتین اب نہین پہر کہو دلّی کہان ہان کوئی شہر قلمرو ہند مین اس کا نام تہا نواب گورنر جنرل بہادر ۱۵ دسمبر کو یہان داخل ہونگے دیکھیے کہان اوترتی ہین اور کیونکر دربار

* اس لفظ مین سے ابجد کے حساب سے ۱۲۷۸ کا عدد نکلتا ہے ۱۲

کرتے ہین آگی کی درباروں مین سات جاگیردار تہی کہ اونکا الگ
الگ دربار ہوتا تہا جہجر بہادرگڈہ بلب گڈہ فرخ نگر دوجانہ پاٹودے
لوہارو چار معدوم محض ہین جو باقی رہی اوسمین سی دوجانہ ولوہارو
تحت حکومت ہانسی حصار پاٹودی حاضر اگر ہانسی حصار کا کمشنر
اون دونوکو یہاں لی آیا تو تین رئیس ورنہ ایک رئیس بس ربی دربار
عام والی مہاجن لوگ سب موجود اہل اسلام میں سی صرف تین
آدمی باقی ہین میرٹہ مین مصطفیٰ خان سلطان جی مین مولوی صدرالدین
بلّیماروںنیں سگ دُنیا موسوم بہ اسد تینوں مردود و مطرود و محروم و مغموم نظم
توڑ بیٹھی جب کہ ہم جام و سبو پہر ہمکو کیا .:. آسمان سی بادہ گلفام گر برسا کری :.
تم آتی ہو چلی آؤ جان نثار خانے کے چہتی کے سڑک خانچند کے کوچی کی سڑک
دیکھہ جاؤ بولاقی بیگم کے کوچی کا ڈہنا جامع مسجد کے گرد ستر ستر گز گول
میدان نکلنا سُن جاؤ غالب افسردہ دلکو دیکھہ جاؤ چلی جاؤ فقط محتمد العصر تاریخ لکھی جاگی
میر سرفراز حسین کو دعا حکیم الملک حکیم میر اشرف علی کو دعا قطب الملک
میر نصیر الدین کو دعا یوسف ہند میر افضل علی کو دعا مرقومہ صبح جمعہ ۶ جمادی
الاول ۲ دسمبر سال حال

رقعه

نظم جو یای حال دہلی والو سلام لو:۔

مسجد جامع واگزاشت ہو گئی چتلی قبر کے طرف کی سیڑہیون پر کبابیون نے
دکانین بنالین انڈا مرغی کبوتر بکنی لگا عشرہ مبشرہ یعنی دس آدمی مہتمم
ٹہری مرزا الہی بخش مولوی صدرالدین تفضل حسین خان ابن فضل اللہ خان

• تین یہہ اور سات اور ۷ نومبر ۲۴ جمادی الاول سال حال جمعہ کی دن
ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے
انا للہ وانا الیہ راجعون ~~جاڑا پڑ رہا ہی ہماری پاس شراب آج کے~~
~~اور ہی کل سی رات کو تزی انگیٹھی پر گذرا ہی بوتل گلاس موقوف ہے~~

رقعه

جان غالب اب کی ایسا بیمار ہو گیا تہا کہ مجکو خود افسوس تہا پانچوین دن
غذا کہائی اب اچہا ہون تندرست ہون ذی الحجہ ۱۲۷۶ھ تک کچھہ
کہٹکا نہین ہی محرم کی پہلی تاریخ سی اللہ مالک ہے میر نصیر الدین آئی کئے
بار مگر مین نے اونکو دیکہا نہین اب کی بار درد مین مجکو غفلت بہت رہی
اکثر احباب کے آنیکی خبر نہین ہوئی جب سی اچہا ہوا ہون سید صاحب

نہین آئی تمہاری آنگہونکی غبار کے وجہہ یہہ ہی کہ جو مکان دلّی مین ڈہائی
گئی اور جہان جہان سڑکین نکلیں جتنی گرد اُوڑی اوسکو آپنے
از راہ محبّت اپنی آنگہون مین جگہہ دی بہر حال اچہّی ہو جاؤ اور جلد
آؤ محمّد العصر میر فرازحسین کا خط آیا تہا مین نے میرنصاحب کے آزردگی کے
خوف سسی اوسکا جواب نہین لکہا یہہ رقعہ اون دونون صاحبون کو
پڑہا دینا تا کہ میر سرفراز حسین صاحب اپنی خط کی رسید سے مطلع ہو جائین
اور میرنصاحب میری پاس الفت پر اطلاع پائیں چہارشنبہ ۶ جون ۱۸۶۰ء

رقعہ

برسات کا حال نپوچہو خدا کا قہر ہی قاسم جانکی گلی سعادتخانکی نہر ہی مین
جس مکان میں رہتا ہوں عالم بیک خان کی کٹہڑی کے طرف کا دروازہ
گر گیا مسجد کیطرف کی دالان کو جاتی ہوئی جو دروازہ تہا وہ گیا سیڑہیان
گرا چاہتی ہین صبح کی بیٹہنی کا حجرہ جہک رہا ہی چہتین چہلنیان ہو گئے ہین
مینہہ گہڑی بہر برسی تو چہت گہنٹا بہر برسی کتابین قلمدان سب توشہ خانے
مین فرش پر کہین لگن رکہا ہوا کہین چلمچی دہری ہوئی خط لکہون کہان
بیٹہہ کر پانچ چار دن سسی فرصت ہی مالک مکانکو فکر مرمت ہی آج ایک

ایک امن کے صورت نظر آئی کہا کہ آؤ میر مہدی کے خط کا جواب لکہون
الور کے ناخوشی راہ کی محنت کشی تپ کی حرارت گرمی کے شرارت یاس کا
عالم کثرت اندوہ وغم حال کے فکر مستقبل کا خیال تباہی کا رنج آوارگی کا طول
جو کچھہ کہو وہ کم ہے بالفعل تمام عالم کا ایک سا عالم ہی سنتے ہین کہ نومبر مین
مہاراجہ کو اختیار ملیگا ہان ملیگا مگر وہ اختیار ایسا ہوگا جیسا خدانے
خلق کو دیا ہی سب کچھہ اپنی قبضۂ ~~قدرت~~ قدرت مین رکہا آدمی کو بدنام کیا
گیا ہی باری رفع مرض کا حال لکہو خدا کرے تپ جاتی رہی ہو تندرستی
حاصل ہو گئی ہو میر صاحب کہتے ہین نظم تندرستی ہزار نعمت ہے ہای پیش مصرع
مرزا قربانعلی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہے مجکو بہت پسند آیا ہے
نظم تنگدستے اگر نہو سالک :. تندرستی ہزار نعمت ہی. ~~مجتہد العصر~~
جناب میر سرفراز حسین صاحب کو دعا آہا ہا ~~میر افضل علی صاحب~~
~~کہان ہین حضرت یہان تو اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہی لکہنو کے مجتہد~~
~~العصر کے بہائی کا نام میر نصاحب تہا بہلا اونکو ہمارے دعا کہنا~~ صبح جمعہ
۲۶ ستمبر ۱۸۶۲

رقمہ

نظم بی می نکند در کف من خامه روائی :.
سر داست ہوا آتش بے دود کجائی :.

میر مہدی صبحکا وقت ہی جاڑا خوب پڑ رہا ہی انگیٹھی سامنی رکھی ہوئی ہے
دو حرف لکھتا ہون آگ تاپتا جاتا ہون اگ مین گرمی سہی مگر ہای وہ آتش
سیال کہان کہ جب دو جرعی پی لئی فورا رگ وپی مین دوڑگئی دل توانا
ہوگیا دماغ روشن ہوگیا نفس ناطقہ کو تواجد بہم پہنچا میان تم پنسن کیا
کر رہی ہو گورنر جنرل کہان اور پنسن کہان دلی کی کمشنر صاحب کمشنر لفٹنٹ
گورنر بہادر جب ان تینون نے جواب دیا ہو تو اوسکا مرافعہ گورنمنٹ میں
کرون مجہی تو دربار و خلعت کے لالی پڑ رہی ہین تمکو پنسن کے فکر ہی یہان کی حاکم نے
میرا نام دربار کے فرد مین نہین لکہا مین نے اسکا اپیل لفٹنٹ گورنر کے ہان کیا ہے
نظم دیکہی کیا جواب آتا ہی :. بہر حال جو کچہہ ہوگا تمکو لکہا جائیگا آج وہ یوسف
ہند نسہی یوسف دہر سہی یوسف عصر سہی یوسف ہفت کشور سہی
اونکی زلیخا نے ستم برپا کر رکہا ہی مجہی تو خبر نہین کہین حضرت کہہ گئی ہین
کہ مین ساڑہی سات روپیہ مہیا بہیجی جاؤنگا اب اوسکا تقاضا ہی
رحیم بخش روز آتا ہی اور کہتا ہی کہ بہیا جانکو لکہو کہ بہو جی جان بہوکی

ہوگی مرتی ہیں خرچ جلد بہیجو ورنہ نالش کے جایگی اور تمکو گواہ قرار دیا جائیگا
بہر حال میر نصاحب کو یہ عبارت پڑہوا دینا میر سرفراز حسین کو
دعا میر نصیر الدین کو دعا حکیم میر اشرف علی کو دعا یوسف ہفت کشور کو
دعا شنبہ ۱۷ دسمبر ۱۸۵۹ع

رقعہ

~~بنجبطلے~~ تمہارا خط پہنچا مگر یہہ غضب ہے کہ مین اوسکا جواب نہین
لکہہ سکتا اور وہ جواب طلب ہے جواب کیا لکہون قواعد عملداری کے
برہم ہوگئے نئی نئی دستورہین شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب آتے ہین
فروری کو انبالی پہنچینگی اہل دہلی کے ملازمت وہان ہوگی اب یہہ آوازہ
بلند ہے کہ فروری مین کلکتی سی چلینگی بنارس الہ آباد اکبر آباد ہوتے ہوئے
مارچ کو انبالی پہنچینگی آلور جی پور کوٹہ یہہ تین راجہ آگرہ پہنچ گئی وہان میر
فرش کیطرح بیکار دہری ہوئی ہیں آلور کی ~~ایک~~ راجہ گویا یوسف ہین اونکے
خریدار دوڑتی پہرتی ہیں کوئی شکرم کوئی کرانچی ڈہونڈہ رہا ہے کوئی پیادہ
چل نکلا کسی نے مانگی کا ٹٹو بہم پہنچایا یہہ سب قصے یکطرف اب سنتا ہون
کہ راجستان کی اجنٹ نی سب رئیسونکو لکھا ہے کہ لارڈ صاحب تمہین بلاتے نہین

جسکا جی چاہی آؤ جسکا جی نچاہی نہ آؤ اُس تحریر کو دیکہہ کر جو عذر گاہ پر
جا پہنچی وہ پشیمان ہین جو راہ مین ہین وہ وہین ٹہٹک رہی ہین نہ آگی بڑہتی
ہین نہ پیچہی ہٹ سکتی ہین جو اپنی مقام سی نہ ہلی تہی وہ اچہی رہی یہان دو تین
مہاوتین برس گیئے ہین گیہون چنا اچہا ہوگا ربیع کی امید بڑی نظم اُفق ہا
پڑا ابر بہن رہی ۔۔ مقالیہ جام من الذین تہی :: سیدہی ہات پر ایک زخم
بائین بازو پر ایک گہاؤ سیدہی ران پر ایک پہوڑا یہہ حال میرا ہے
باقی خیر و عافیت میر سرفراز حسین صاحب اور میر نصیر صاحب کو دعا پہنچی غالب

رقعہ

میان نور نوی بخش جان غالب تمہارا خط پہنچا غزل اصلاح کی بعد پہنچی ہے نظم ہراک سے پوچہتا ہون
وہ کہان نہ ہے :: مصرع بدل دینی سی یہہ شعر کس رتبی کا ہوگیا ہی ای میر صاحب
تمہین شرم نہین آتی نظم میان یہہ اہل دہلی کے زبان ہی :: اب اہل دہلی ہندو
ہین یا اہل حرفہ ہین یا خاکی ہین یا پنجابی ہین یا گوری ہین انمین سی تم
کسکے زبان کی تعریف کرتے ہو لکہنو کی آبادی مین کچہہ فرق نہین آیا ریاست
تو جاتی رہی باقی ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔
موجود ہین انشاء اللہ

اللہ اللہ دلی نہ رہی اور دلي والي ابتک یہانکی زبان کو اچھا کہے
جاتی ہین واہ ری حسن اعتقاد آہی بندہ خدا اُردو بازار نہ رہا اردُو
کہان دلّی شہر نہین ہے کیمپ ہے چھاؤنی ہی نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر
قلعہ

جمعہ ۷ امحرم ۲۶ جولائی سید صاحب کل پہر دن رہی تمہارا خط
پہنچا یقین ہی کہ اوسوقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہاری پاس
پہنچ گئے ہون حال سفر کا جو کچھہ ہے اونکی زبانی سن لوگی مین
کیا لکھون مین نے بہی جو کچھہ سنا ہی اونہین سی سنا ہی انکا اسطرح
ناکام پہر آنا میری تمنّا اور میري مقصود کے خلاف ہی لیکن میرے
عقیدہ اور میری تصور کی مطابق ہے مین جانتا تہا کہ وہان کچھہ
نہوگا سو روپیہ کی زیرباری ناحق ہوئی چونکہ یہہ زیرباری میری بہروسے
پر ہوئی تو مجھی بہے شرمساری ہي مین نے اس چہیاسٹھ برس مین
اسطرح کی شرمساریان اور روسیاہیان بہت اوٹہائی ہین
جہان ہزار داغ ہین ایک ہزار ایک سہی میر سرفراز حسین کے
زیر باریے سی دل کڑہتا ہی

نقل

ایک مولوی وعظ مین شراب کے مذمت کر رہی تہی فرمانی لگی ادنے برائی اسمین یہہ ہے کہ جبتک اسکی بو آدمی کے مُنہہ سی آتی ہی دعا نہین قبول ہوتی ہین ینے کہا کہ مولوی صاحب آدمی شراب جب پئیگا کہ تین باتین اوسکو میسر ہونگی پہلی تندرستی پہر دوسری تمدنی پہر خاطرجمعی اب آپ انصاف کرین جب یہہ تینون چیزین حاصل اور موجود ہوئین ایسی اور کیا چیز باقی رہی کہ انسان اوسکی تمنا کری اور اوسکے ملنی کے واسطی دُعا کرے

لطیفہ

۱۸۵۷ع مین جو میرٹھ سی باغی ترک سوار اور تلنگی دلی مین آئے اور اونہون نے شہر پر اور قلعہ پر اپنا قبضہ کرلیا تو وہ مئی مہینے کی ۱۱ تاریخ تہی اور دوشنبہ کا دن تھا قضارا جدن ستمبر ۱۸۵۷ع مین دلی فتح ہوئی اور سرکش لوگ بھاگ گئے وہ بہی دوشنبہ کا دن تہا دو ایک دوستون نے کہا کہ دیکھو کیا اتفاق ہے دوشنبہ کو دلی کا جانا اور پہر دوشنبہ کو ہات آنا مین نی کہا کہ یہہ ایک مزہ ہے

رمزہی اسکو یون تصور کرو کہ جسدن شکست کہائی اوسی دن
فتح پائی یعنے دیر نہ لگی ایک دن مین تدارک ہوگیا

نقل

غدر کے دنون مین مین نہ شہر سی نکلا نہ پکڑا گیا نہ میرے روبکاری
ہوئی جس مکان مین رہتا تہا وہین بدستور بیٹہا رہا اور بلّیما رونکے
محلی مین میرا گہر تہا ناگاہ ایک دن آٹہہ سات گوری دیوار پر
چڑہ کی اوس خاص کوچی مین اوتر آئی جہان مین رہتا تہا اوس
کوچیمین بہہ جہت ۵۰ یا ۶۰ آدمیکی بستی ہوگیے سبکو گہیر لیا اور
اپنی ساتہہ لیچلی مگر گرفتار نہین کیا اور کسیکو بیحرمت نہیں کیا
نرمی سی لیچلی راہ میں سارجن بہی آملا اوسنی مجہسی صاحب سلامت کے
بعد پوچہا کہ تم مسلمان ہو مین نے کہا کہ آدہا مسلمان ہون اوسنی
کہا اوں صاحب آدہا مسلمان کیا میں نے کہا شراب پیتا ہون
ہیم ہوک نہیں کہتا غرضکہ وہ مجہی کرنیل برونصاحب کے پاس لیگیا
وہ چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کے حویلی مین اوترے
ہوئی تہی باہر نکل آئی اور میرا صرف نام پوچہا اوروں سی نام

بہی پوچہا اور بیشہ بہی پوچہا نام میرا سنکر فرمایا کہ اسد اللہ خان
بڑی تعجب کے بات ہی کہ تم بادشاہ پر نہ آئی مین نے کہا آپ سنیے تو
کہوں کہا ہان کہو مین نے کہا کہ تلنگی دروازہ سی باہر آدمیکو
نکلنے نہین دیتی تہی مین کیونکر آتا اگر کچہہ فریب کر کی کوئی بات بنا کی نکل جاتا
جب بادشاہ کے قریب گولی کے زد پر پہنچتا پہرہ والا گورا مجہی گولی مار
دیتا یہہ بہی مانا کہ تلنگی باہر جانی دیتی گوری گولی نمارتے میری صورت
کو دیکہیی اور میرا حال معلوم کیجیی بوڑہا ہون پانو سی اپاہج کانون سے
بہرا نہ لڑائ کے لایق نہ مشورت کے قابل ہان دعا کرتا سو یہان
بہی دعا کرتا رہا کرنیل صاحب ہنسی اور فرمایا اچہا تم اپنی گہر جاؤ اور اپنے
نوکروں اور اپنی علاقہ دارون کو ساتہہ لیجاؤ باقی اہل محلہ سی غرض
نرکہو مین خدا کا شکر بجا لایا اور کرنیل بروں صاحب کو دعا دیتا ہوا
اپنی گہر آیا۔

شعر

ہی کچہہ ایسی ہی بات جو چپ ہون .: ورنہ کیا بات کر نہیں آتی .:

مین بہی منہہ مین زبان رکہتا ہون :: شعر: کاش پوچہو کہ مدعا کیا ہے

قطعہ

پہر کہلا ہے در عدالت ناز :: گرم بازار فوجداري ہے

ہو رہا ہی جہان مین اندہیر :: زلف کی پہر سرشتہ داري ہے

پہر دیا پارۂ جگر نے سوال :: ایک فریاد و آہ وزاري ہے

پہر ہوئی ہین گواہ عشق طلب :: اشکباری کا حکم جاري ہے

دل و مژگان کا جو مقدمہ تہا :: آج پہر اوسکی روبکاري ہے

شعر

بوسہ دیتی نہین اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ   جیمین کہتے ہین کہ مفت آئی تو مال اچہا ہے

شعر

اونکی دیکہی سی جو آجاتی ہی رونق منہہ پر   وہ سمجہتی ہین کہ بیمار کا حال اچہا ہے

شعر

پئیون شراب اگر خم بہی دیکہہ لون دو چار   یہہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

شعر

میري قسمت میں غم گر اتنا تہا   دل بہی یارب کئی دئی ہوتے

شعر

خط لکھینگے گرچہ مطلب کچھہ نہو :: ہم تو عاشق ہین تمھارے نام کے

شعر

منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید :: ناامیدی اوسکی دیکھا چاہیے

شعر

پلادے اوک سے ساقی جو ہمسے نفرت ہے :: گلاس گر نہین دیتا نہ دے شراب تو دے

شعر

گو ہاتھکو جنبش نہین آنکھون مین تو دم ہے :: رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

شعر

کون ہے جو نہین ہے حاجتمند :: کسکی حاجت روا کرے کوئے

شعر

بہوکے نہین ہین سیر گلستانکے ہم ولے :: کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کے

شعر

غالب بُرا نمان جو واعظ بُرا کہے :: ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہین جسے

شعر

واعظ نہ تم پیو نہ کسیکو پلاسکو :: کیا بات ہے تمھاری شراب طہور کے

سبکی دل مین ہی جگہ تیری جو تو راضی ہوا ؞ مجہ پہ گویا اک زمانا مہربان ہو جائیگا

شعر

رات دن گردشمین ہین سات آسمان ؞ ہو رہیگا کچہہ نہ کچہہ گہبرائین کیا

شعر

کہتی ہین جب رہی نہ مجہی طاقت سخن ؞ جانون کسیکی دلکی مین کیونکر کہی بغیر

شعر

جبین ہی کچہہ نہیں ہی ہمارو گر نہ ہم ؞ سر جای یا رہی نہ رہین پر کہی بغیر

شعر

ہمنی مانا کہ تغافل نکروگے لیکن ؞ خاک ہو جائینگی ہم تم کو خبر ہوتی تک

شعر

قاصد کی آتی آتی خط ایک اور لکہہ رکہون ؞ مین جانتا ہون جو وہ لکہینگی جواب مین

شعر

وہ آئی گہر مین ہماری خدا کی قدرت ہے ؞ کبہی ہم اونکو کبہی اپنی گہر کو دیکہتی ہین

شعر

رنج سی خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج ؞ مشکلین مجہ پر پڑین اتنی کہ آسان ہوگئین

شعر

سیکھی ہین مہ رخونکی لئے ہم مصوّری — تقریب کچھہ تو بہر ملاقات چاہیے

شعر

کیا خوب تمنی غیر کو بوسہ نہین دیا — بس چپ رہو ہماری بہی منہہ مین زبان ہی

شعر

پینس مین گزرتے ہین جو کوچے سے وہ میرے — کندہا بہی کہارونکو بدلنی نہین دیتے

شعر

ساقیگری کے شرم کرو آج ورنہ ہم — ہر شب پیا ہی کرتے ہین مے جس قدر ملے

خاتمہ

خدا کا شکر بجا لاتا ہون کہ یہہ مجموعۂ مختصر تمام ہوا اب خدا سے یہہ دُعا مانگتا ہون کہ یہہ تحریر میری مربی اور محسن کے پسند آئی تمنی جانا کہ میرے مُربّی اور محسن کون ہین وہ کہ جنکی ہدایت کا شکر گزار اور عنایت کا اُمیدوار ہون جب نام نامی اونکا دیباچۂ کتاب مین مرقوم اور عالم مین مشہور ہی تو بار بار حضرت کا نام لینا ادب سے دور ہی مگر یہان خاتمہ مین یہہ شعر لکھدینا ضرور ہے

سبکی دلمین ہی جگہ تیری جو تو راضی ہوا :: مجہہ پہ گویا اک زمانا مہربان ہو جائیگا

حواشی

از

ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی

ع سے مراد: عودِ ہندی، پہلی اشاعت (مجتبائی میرٹھ، ۱۲۸۵ھ)
م ″ ″ : اُردوئے مُعلّیٰ، پہلی اشاعت (اکمل المطابع دہلی ۱۲۸۵ھ)
م۲ ″ ″ : اُردوئے مُعلّیٰ (مجتبائی دہلی، ۱۸۹۹، ۱۹۱۴ء) حصّہ دوم
خطوط ″ ″ : خطوط غالب، مرتبہ مہیش پرشاد، جلد۱، آلہ آباد، ۱۹۴۱ء

ص۲، س ۲-۳ : " اور کئی لطیفے" کو کاتب سہواً چھوڑ گیا تھا۔ مقابلے کے وقت اِن کا اضافہ دو سطروں کے درمیان کیا گیا ہے۔ اور بھی جہاں کہیں ایسی صورت تھی اُس کی نقل بجنسہٖ کر دی گئی ہے۔

اِس ورق کے نِچلے کونے کے ضائع ہو جانے سے اخیر دو سطروں کی عبارت ناقص ہوگئی ہے؛ اور نہیں کہا جا سکتا مصنف نے یہاں کیا لفظ لکھے تھے۔ اُن کھوئے ہوئے لفظوں کو کم و بیش اس طرح تصوّر کرنا چاہیے:

[ہے وآلا] مناقب ....

[فیض بخش فیض سا] لک ....

ص ۳، س ۷ و ۹ (اور اور جگہ بھی) ٹ پر بجائے (ﻁ) کے چار نقطے ہیں۔ پرانا طریقہ تھا کہ ٹ، ڈ، ڑ پر چار نقطے دیتے تھے، اس طرح: (∴). بعد کو (ﻁ) کا رواج ہوا اور غالب کے زمانے میں عام طور پر (ﻁ) لکھنے لگے تھے۔ لیکن کچھ لوگ نئے طریقے پر چلتے، کچھ پُرانے دستور کے پابند تھے، اور کچھ ایسے بھی تھے جو دونوں صورتوں کو جائز رکھتے تھے۔ غالب کے قلم کی تحریریں جہاں تک دیکھنے میں آئیں اُن میں "ٹ" پر اکثر و بیشتر چار نقطے پائے گئے اور کبھی کبھی (ﻁ)۔ بخلاف اِس کے "ڈ" اور "ڑ" پر (ﻁ) ہی ملتا ہے۔

—— س ۱۳ (نیز ص ۸، س ۷): "ہندستان" (بغیر واو کے)۔ غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نثری تحریروں میں یوں ہی ہے۔ شعر کے وزن کی خاطر البتہ حسب ضرورت واو کے ساتھ یا بے واو لکھتے ہوں گے۔

—— س ۱۴: "کوئینس پوئیٹ۔ یعنی ملکہ کا شاعر۔ "پوئٹ" کی انگریزی "ٹ" کو شاید ہندستانی "ٹھ" یقین کیا تھا۔

ص ۴، س ۲ پر تمہید ختم ہوئی۔ اب پہلا باب شروع ہوتا ہے جس میں دو دیباچے اور کئی مکتوب اور کئی لطیفے ہیں۔

—— س ۴: "پہلا دیباچہ"۔ یہ ایک تقریظ ہے جو غالب نے رجب علی بیگ سُرور صاحبِ "فسانۂ عجائب" کی ایک اور تالیف "گلزارِ سُرور" پر لکھی تھی اور تقریظ ہی کے نام سے اُس کے شروع میں درج ہوئی ہے۔ (ع) اور (م۲) میں بھی اسے "تقریظ" کرکے لکھا ہے۔ لیکن چوں کہ کتاب کے شروع میں ہے اُسے "دیباچہ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس دیباچے یا تقریظ کا متن جو "گلزار" میں ہے ہمارے قلمی نسخے کے ساتھ پوری مطابقت رکھتا ہے۔ (م۲) میں بھی، سوا دو ایک معمولی سہوِ کاتب کے، کوئی اختلاف نہیں۔

"گلزار" پہلی بار" مطبع افضل المطابع محمدی" میں ½ ۱۰ × ۷ انچ کی تقطیع، ۲۴ سطری مسطر پر چھپی۔ اس پہلی اشاعت کا صرف ایک نسخہ دیکھنے کو ملا جو آخر سے ناقص ہے۔ سرورق پر اشاعت کا سال لکھا نہیں؛ مؤلف کے نام کے ساتھ، دوسری اشاعت کی طرح، لفظِ "مغفور" نہیں ہے۔ اس سے یہ یقین ہوتا ہے کہ کتاب کے پہلی بار چھپنے کے وقت مرزا سُرور حیات تھے۔ دوسری بار کتاب زیادہ خوشنما اور خوشخط چھپی ہے۔ اس دوسری اشاعت کا ایک سالم نسخہ میرے کتابخانے میں ہے۔ سرورق پر چھاپے خانے کا نام "افضل المطابع نجم العلوم کارنامہ" اور خاتمۃ الطبع میں "افضل المطابع محمدی" بتایا گیا ہے۔ یہ خاتمہ ظاہرا پہلی اشاعت میں سے نقل ہوا ہے۔ دوسری اشاعت کے پہلے (رنگین) سرورق پر کتاب کا نام "مجموعۂ تصنیفات ... میرزا رجب علی بیگ سرور مغفور الموسوم بہ گلزار سرور و شرارِ عشق و نثرِ نثرۂ نثار" ہے۔ اخیر دونوں تحریریں کُل گیارہ صفحے میں آگئی ہیں۔ ان کے آخر میں ایک اور خاتمہ چار پانچ سطر کا ہے جس میں چھاپے خانے کا نام "مطبع نجم العلوم کارنامہ واقع دارالعلم والعمل فرنگی محل" لکھا ہے۔ اخیر (رنگین) ورق کے بیرونی رخ پر "التماس" کے عنوان سے ایک عبارت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب "دوبارہ" اور مع "شرارِ عشق و نثرِ نثرۂ نثار" ۱۳۰۷ھ میں چھپی تھی۔ "گلزار" کا متن دونوں اشاعتوں میں ۱۰۰ صفحے پر آیا ہے۔ دونوں خاتمے اور یہ التماس محمد یعقوب کے لکھے ہوئے ہیں اور کتاب دونوں بار انھیں کے اہتمام سے شائع ہوئی۔ یہ اُردو نثر نگاری میں سُرور کے شاگرد اور اُن کے بڑے مخلصوں میں سے تھے۔ سُرور اپنے خطوں میں ان کا ذکر اکثر کرتے ہیں، "مولوی" اور "صاحب" ہمیشہ اور کبھی "جناب" بھی اضافہ کرکے[1]۔ بعد میں مولوی یعقوب ایک اخبار "کارنامہ" نکالنے لگے تو چھاپے خانے کے نام میں "کارنامہ" بڑھا دیا تھا۔

---

[1] "انشائے سُرور" (نولکشور، طبع پنجم ۱۹۱۶ع) ص ۴۳، ۵۷، ۶۴، ۶۶، ۸۰، ۸۹

ص ۴، س ۶ : "حدائق العشاق"۔ یہ وہ فارسی کتاب[۵۱] ہے جسے سرور نے اردو میں منتقل کرکے "گلزار سرور" نام دیا ہے۔ اس کا مؤلف رضی ابن محمد شفیع دیباچے میں کہتا ہے کہ یہ کتاب اُس نے "اللہ ویردی خاں مصاحب و قوللر آقاسی و امیر شکار باشی و امیر الامرای کوہ گیلویہ و فارس" کے حضور میں پیش کی تھی[۵۲]۔ کتاب کا سالِ تالیف مذکور نہیں۔ اللہ ویردی خاں اپنے زمانے میں ایران کے بہت سربرآوردہ امیروں میں تھا اور نہایت اہم عہدوں پر فائز رہا تھا۔ گراں قدر ملکی اور فوجی کارگزاریوں کی بنا پر شاہ عباس اوّل کے عہد میں اُسے بہت عروج ہوا[۵۳]۔ شاہ عباس ۹۹۶ھ میں تخت پر بیٹھا[۵۴] اور اللہ ویردی خاں ۱۰۲۳ھ میں مرگیا۔[۵۵] اس لیے رضی کی کتاب اسی ۲۷ برس کے عرصے میں کسی وقت تالیف ہوئی ہوگی۔ شاہ عباس کی سلطنت کے ابتدائی کئی برس جنگ

---

[۵۱] "حدائق" ہندستان میں بھی بہت مقبول رہی ہے۔ مطبع مصطفائی، لکھنؤ نے ۱۲۷۰ھ اور نولکشور نے ۱۲۹۱ھ میں اسے شائع کیا۔ اس کے علاوہ متعدد بار شائع ہوئی ہو تو عجب نہیں۔

[۵۲] سرور نے ترکی لفظ "قوللر آقاسی" کا ترجمہ (سردارِ غلامان) تو لکھ دیا ہے، مگر "امیر شکار باشی" سے صرفِ نظر کیا۔ "کوہ گیلویہ" بھی حذف ہوا۔ یہ ایک پہاڑی خطہ ہے فارس سے متصل۔ "گلزار" (ص ۴) میں اللہ ویردی کی جگہ "اِلَہ ویردی" غالباً کاتب کا سہو ہے۔

[۵۳] دیکھو تاریخ "عالم آرای عباسی" (شاہ عباس کے دبیرِ خاص اسکندر بیگ منشی کی تالیف) طبع ایرانی ۱۳۱۴ھ ج ۲، ص ۳۵۸، ۳۷۵، ۴۴۹–۴۵۱، ۴۷۶، ۴۸۸، ۴۹۸، ۴۹۹۔

[۵۴] سائکس کی تاریخ ایران (انگریزی) طبع ۱۹۱۵ء، جلد ۲، ص ۲۵۱، میں شاہ عباس کے جلوس کا سال ۹۸۵ھ چھپا ہے جو صحیح نہیں۔ مستعدانِ عراق نے دو مادۂ تاریخ پائے تھے: (۱) ظلّ اللہ اور (۲) عباس بہادر خاں۔ ("عالم آرا"، ج ۲ صفحۂ دوم)

[۵۵] "عالم آرا" ج ۲، ص ۶۱۵۔ سولھویں صدی عیسوی میں یورپ کے کئی سیاح ایران آئے جو ایران کی سیاسیات میں بھی قدم مارتے تھے۔ ان کی تحریروں کے ذریعے سے اللہ ویردی خاں کا نام مغربی ممالک میں بھی مشہور ہوگیا تھا جسے بعض مصنفین نے Oliver-da-can لکھا ہے۔

اور بدامنی میں گذرے تھے، اور اللہ ویردی خان بھی مُہمّوں اور معرکوں میں مصروف رہا۔ اس لیے کم سے کم پہلے دس برس کو خارج از بحث سمجھنا بیجا نہ ہوگا۔ آخر سے بھی تین چار برس کو خارج کردینا بہتر ہوگا۔ اس طرح " حدائق " کی تالیف کا زمانہ ۱۰۰۷ھ اور ۱۰۲۰ھ کے درمیان ٹھہرتا ہے۔

" حدائق العُشّاق " ایک رَمزیّہ (یا اِستِعاری قصّہ) ہے یعنی مجاز کے پیرایے میں لکھا گیا ہے۔ جن اشخاص یا مقامات وغیرہ کا ذکر اس میں آیا ہے ان کے نام مجازی ہیں؛ یعنی ہر نام ایک رمز ہے جس سے موسوم کرکے کردار یا خصوصیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ بادشاہ کا نام " روح " ہے تو اس کا ولی عہد " دل "، وزیر " عقل " سپہ سالار " صبر "۔ ایک دوسرا بادشاہ " عشق " ہے تو اس کی بیٹی " حُسن " ، ایک " مُلک " عافیت " نام پاتا ہے تو اُس کا تاجدار " ناموس " کہلاتا ہے۔ " روح " اور " عشق " کی طبیعتوں کا اِختلاف اور " حسن " اور " دل " کے مزاجوں کا جوش و خروش دونوں بادشاہوں کے درمیان جنگ چِھڑ جانے کا باعث ہوتا ہے۔

فارسی میں رَمزی حکایتیں اکثر و بیشتر مثنوی کی شکل میں نظم ہوتی رہی ہیں؛ جیسے کاتبی (مُتوفّٰی ۹۳۹ھ) کی مجمع البحرین جو " ناظر و منظور " کے نام سے زیادہ مشہور ہوئی اور " ناظر " اور " منظور " کی الفت کی حکایت ہے؛ جامی (مُتوفّٰی ۸۹۸ھ) کی " سلامان و اَبسال " اور اُس کے ہمعصر اَہلی شیرازی کی " شمع و پروانہ " گیارھویں صدی ہجری میں شاہ عبّاس اوّل کے عہد کے شاعروں میں سے " زُلالی خوانساری کی مختصر مثنویاں " آذر و سمندر " اور " خورشید و ذرّہ " اس صنف کی خاص چیزیں ہیں۔ اِن کے مقابلے میں نثر میں لکھے ہوئے رمزی قصّے بہت ہی کم ہیں۔

پہلا شخص جس نے نثر میں ایک مُستقل رَمزیّہ لکھا یحییٰ ابن سیبک فتّاحی (متوفّٰی

۸۵۲ھ) ہی جو اپنے وقت کے فضلا میں تھا۔ غزل میں کبھی اسراؔری یا خماؔری بھی تخلص کرتا تھا۔ مگر اس نے بھی پہلے (۸۴۰ھ) ایک مثنوی پانچ ہزار بیت کی لکھی جس میں شہزادی "حسن" اور شہزادے "دل" کی کہانی سُنائی تھی اور اُسے "دستورِ عُشّاق" نام دیا تھا۔ پھر اُسی داستان کو مختصر کرکے نثر میں "حُسن و دل" کے نام سے لکھا اور فارسی ادب کی دنیا میں یہ دونوں کتابیں بہت مقبول ہوئیں۔[۵۱] ترکی شاعروں آہیؔ (متوفیٰ ۹۲۳ھ) اور لامعیؔ (متوفیٰ ۹۳۸ھ) نے پُرتکلّف ترکی نثر میں، اور سلطان مرادِ سوم کے عہد (۹۸۲ - ۱۰۰۴ھ) کے شاعر وآلیؔ اور بعد کو صِدقیؔ نے ترکی نظم میں فتّاحی کی تصنیف کو منتقل کیا۔[۵۲] خود ایران میں، فتّاحی سے کوئی دو سو برس بعد مُلّا رضیؔ نے اُسی "حکایتِ حُسن و دِل" کو اپنی عبارت میں لکھا، لیکن فتّاحی کا نام نہیں لیا۔ ہند میں بھی کئی شخصوں نے اُس کا چربہ اُٹھایا۔ اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں ایک مثنوی "حُسن و دِل" صلاح الدین صَیرَفی ساوَجی نے لکھی جس کا صرف ایک ناقص نسخہ انڈیا آفس کے کتبخانے میں ہے (نشان ۲۸۱)۔ مُلّا وجہیؔ نے ۱۰۴۵ھ میں "سب رس" اپنے زمانے کی اُردو (نثر) میں لکھی۔ داؤد ایلچیؔ نے ۹ برس بعد "حُسن و دل" ہی کے نام سے فارسی مثنوی لکھی (جس کا نسخہ بمبئی یونی ورسٹی میں محفوظ ہے) اور ۱۰۹۵ھ میں خواجہ محمد بیدلؔ نے وہی حکایت فارسی نثر میں لکھ کے اورنگزیب عالمگیر کے نام سے مُعنون کی۔[۵۳] ان سب کا ماخذ فتّاحی کی نظم و نثر ہے۔ اُس کے

---

[۵۱] اِن کے بعد ۸۴۳ھ میں فتّاحی نے "شبستانِ نِکات و گلستانِ لُغات" لکھی جس کا مختصر نام "شبستانِ خیال" زیادہ معروف ہے مگر یہ کوئی قصّہ نہیں، بلکہ اسلام و ایمان، عِلم و زُہد، اخلاق و آداب وغیرہ پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے باب کا متن مع جرمانی ترجمے اور تشریح وغیرہ کے ڈاکٹر ایتے نے شائع کردیا تھا۔ (لائپسگ ۱۸۶۸ع)

[۵۲] تفصیل کے لیے دیکھو "سب رس" (اورنگ آباد ۱۹۳۲ع) کا مقدمہ، ص ۷ سے آگے؛ نیز جرمانی زبان میں ایتے کی "فارسی ادبیات" (اشتراس بورگ ۱۹۰۳ع)۔ [۵۳] اس کتاب کا قلمی نسخہ انڈیا آفس کے کتبخانے میں محفوظ ہے۔ "بیدل" سے یہ دھوکا نہ ہونا چاہیے کہ یہ میرزا عبدالقادر بیدل ہیں۔

پیرووں نے اپنی اپنی شاعری اور عبارت آرائی کا کمال دکھایا ہے۔

ص ۴، س ۱۵۔ص ۵، س ۱۔ یہ دو شعر غالب نے اپنی "گزارش بحضور شاہ" میں سے لیے ہیں اور دونوں شعروں میں لفظ "میری" کو "ایک" سے بدل کر انھیں مقام کے مناسب بنا لیا ہے۔

ص ۵، س ۶: "کھنچکر" بجائے "کھینچکر"۔

۔۔۔ س ۸: "ایشری... بہادر" یعنی مہاراجا صاحب بنارس جو سرور کے مربی تھے۔

ص ۶، س ۲: "کیوں انکا" بجائے "کیوں اونکا" (ع)

۔۔۔ س ۷۔ "رہے گا" پر عبارت تمام ہوگئی ہے۔ جو جگہ سطر کے آخر میں بچ رہی تھی اسے صرف بھر دینے کی خاطر کاتب نے نقطے لگائے ہیں۔

دیباچہ دوسرا

خواجہ بدرالدین اماؔن دہلوی نے، جو غالب کے بھتیجے ہوتے تھے، "بوستان خیال" کی کئی جلدوں کا فارسی سے اُردو میں ترجمہ کیا تھا جن میں سے ایک کا "حدائق انظار" دوسری کا "ریاض الابصار" نام رکھا اور غالب سے یہ دیباچہ لکھوا کر "حدائق انظار" کے شروع میں لگایا[1]۔ یہ بھی (ع) اور (م ۲) میں شامل ہے۔

(ع) اور (م ۲) "حدائق انظار" کے متن سے بیشتر مطابق ہیں اس لیے یقین

---

[1] اماں کے حالات کے لیے دیکھو فرحت اللہ بیگ کا مقالہ (رسالۂ اُردو، اپریل ۱۹۳۱ع) اور "مضامین فرحت" حصہ ۴، نیز ڈاکٹر قادری زور کا مقالہ ("یادگار فرحت" ۱۹۵۱ع) ص ۱۴۱-۱۵۲۔

ہوتا ہی کہ اُن دونوں میں یہ دیباچہ "حدائق" سے نقل ہوا ہی۔ قلمی نسخے میں جو اختلاف ہی وہ ظاہرا اس بنا پر ہے کہ غالب نے اپنی پُرانی تحریر میں کہیں حکّ و اصلاح کی ضرورت دیکھی اور کہیں اس نئی درسی کتاب کے مقصد پر نظر کرکے کوئی عبارت بدل دی یا حذف کردی ؛ کہیں کوئی لفظ بدلا اور کہیں لفظوں کے مقام کو ادل بدل دیا۔

کتابت کی معمولی غلطیوں سے قطع نظر یہاں صرف اہم اختلافات کی تفصیل کی جاتی ہی:

ص ۶، س ۱۲-۱۳: "تو اوس صورت میں ہم کیونکر"۔ (ع) : ہم اوس صورت میں یہ کیونکر" (م ۲) : "تو ہم اس صورت میں کیونکر"۔ حدائقِ انظار: "ہم اوس صورت میں کیونکر"۔

ـــــ "لعبتِ دلفریب کے نظارگی بے بادہ مست"۔ تینوں مطبوعہ نسخے: "لعبتِ دلفریب کی نظارگی سے بے بادہ مست"۔ "نظارگی" کے دو معنے ہیں : (۱) نظارہ کرنا۔ اِس صورت میں لفظ کے آخر مصدری "ی" ہی۔ (۲) نظارہ کرنے والا۔ یہاں "ی" فاعلی ہی، اور غالب کا مقصود یہی تھا، اس لیے کہ اگلی سطر میں "اہل معنی" مقابلے کا لفظ ہی اور جملے کی ترکیب یوں ہی: "... کے نظارگی بے بادہ مست ہوجاتے اور ... اہل معنی یکقلم صورت پرست ہوجاتے۔" چھاپنے یا چھپوانے والوں نے لفظ کے پہلے معنی پر خیال کرکے "کی نظارگی سے بے بادہ ..." پڑھا اور "سے" کے اضافے کو ضروری جانا۔ سیاقِ عبارت اور نحوی ترکیب کا لحاظ نہ کیا۔

ص ۷، س ۲: "سینکروں" بجائے سینکڑوں۔

ـــــ س ۳: خردمندان" کو (ع)، (م ۲) اور حدائق کی قرأت "خردمند" پر ترجیح ہی۔

ـــــ س ۴: "باالطبع" کا زائد الف سہواً قلمزد ہونے سے رہ گیا ہی۔

ـــــ س ۹: "گرداں کبوتر" = وہ کبوتر جو اِدھر اُدھر اُڑتا، گھومتا پھرتا ہی اور سیٹی کی آواز سنتے ہی گھر لوٹ آتا ہی۔ "سیٹھی" (صحیح : "سیٹی")

—— س ۱۳ : " دعویٔ خُدائی " صحیح ۔ مُضاف ہونے کی صورت میں یا تو " دعویٰ " ہوسکتا ہے یا " دعواے "۔ (م ۲) میں " دعویٰ خدائی " ہے جو صحیح نہیں ۔

ص ۸ ، س ۱ : " توگویا " دونسخوں میں " گویا "۔ " توگویا " بہتر ہے ۔ (م ۲) : " گو " غالباً سہو کا تب ہے ۔

—— س ۲ : " فسانہ " ۔ تینوں مطبوعہ نسخے : " افسانہ "

—— س ۴ : " غمَر " کے پہلے دونوں حرفوں پر ، غالب کی اور تحریروں کی طرح یہاں بھی فتحے کا اہتمام کیا گیا ہے ۔ (تفصیل کے لیے دیکھو رسالہ " ہندستانی " الٰہ آباد ، جلد ۸ ، ص ۲۴۸ - ۲۵۰)

ص ۸ ، س ۵ : " محمد شاہی " اس لیے کہا کہ میر تقی خیال محمد شاہ بادشاہ کے عہد حکومت میں اپنے وطن احمد آباد گجرات سے دلی آئے تھے ۔ پورا نام میر محمد تقی جعفری حُسینی ، خیال تخلص ۔ دلی میں نواب محمد اسحاق خاں[۱] اور اُن کے بھائی نواب رشید خاں سالار جنگ کی فرمائش پر داستانوں کا ایک مجموعہ " بوستان خیال " فارسی میں لکھا جو ۱۶ جلدوں میں تمام ہوا اور جس کا کچھ حصّہ دلّی میں کچھ مرشد آباد میں لکھا گیا تھا ۔ اس تصنیف

[۱] اسحاق خاں مؤتمن الدولہ شوستری ذی جوہر امیروں میں تھا ۔ اُس کے باپ نے شوستر (ایران) سے آکر ہندستان میں سکونت اختیار کرلی اور اسحاق خاں یہیں پیدا ہوا عربی اور فارسی ادب میں اچھی قابلیت حاصل کی اور نظم و نثر میں مہارت بلکہ تفوق رکھتا تھا ۔ ہر بادشاہ کے عہد میں معزز اور ممتاز رہا خاص کر محمد شاہ کے دربار میں اُس نے بڑا رسوخ بہم پہنچایا ۔ ۱۱۵۲ ھ میں انتقال کیا ۔ تین بیٹے چھوڑے (۱) میرزا محمد وہ بھی باپ کی طرح قابل اور کارگزار تھا ۔ میرزا محمد کی بہن صفدر جنگ کے بیٹے شجاع الدولہ (اودھ) سے منسوب ہوئی محمد شاہ کے دور میں ۔ آخر میں اسحاق خاں نجم الدولہ خطاب ملا اور بخشی چہارم مقرر ہوا ۔ احمد شاہ کے دور میں بھی یہ خدمت بحال رہی اور شاہجہان آباد کی کروڑ گیری کی خدمت اضافہ ہوئی ۔ افاغنۂ بنگش سے جنگ ہوئی جس میں صفدر نے شکست کھائی اور میرزا محمد صفدر جنگ کے ساتھ تھا بڑی بہادری سے لڑا اور کام آیا ۔ (۱۱۶۳ھ) مؤتمن الدولہ کے دو اور بیٹے (۲) میرزا علی افتخار الدولہ اور (۳) میرزا محمد علی سالار جنگ ۔ صفدر جنگ کی وفات (محرم ۱۱۶۸ھ) پر یہ دونوں بھائی شجاع الدولہ کے پاس اودھ (فیض آباد) چلے آئے ۔ (خزانۂ عامرہ ، ص ۱۲۲ - ۱۲۳)

کا زمانہ ۱۱۵۵ سے ۱۱۶۹ھ تک کا ہے۔ خیالؔ نے ۱۱۷۳ھ میں وفات پائی۔۱۵۶ (مطابق ۱۸۴۰ع) میں عالم علی نے "بوستانِ خیال" کی ضخیم جلدوں میں سے کچھ قصّوں کو انتخاب کرکے اُردو میں ترجمہ کیا اور "زبدۃ الخیال" نام رکھا تھا۔ پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی کے کتابخانے سے ایک نسخہ مل گیا۔ مولّف کا دیباچہ یوں شروع ہوتا ہے:

"بعد حمد و نعت کے عاصی عالم علی موضع کرائی کا رہنے والا جو کہ نواح عظیم آباد پرگنۂ بلیا سے متعلق ہے... عرض کرتا ہے کہ نسخۂ بوستانِ خیال تصنیف میر محمد تقی خیال زبان فارسی میں سولہ جلد ہے۔ بجہت طوالت کے صاحب شوق کا دل اکثر پریشان ہوتا ہے اور سب داستانوں کی خوبیاں بے دیکھے تمام کتاب کے ظاہر نہیں ہوتیں اس واسطے بندے نے سنہ ۱۲۵۶ ہجری میں بیچ مقام کلکتہ کے اوس کی کہانیوں کو بطور مختصر زبان ریختہ اردو میں ترجمہ کرکے زبدۃ الخیال نام رکھا اور بلحاظ اختصار حالات طلسم اور مقامات بزم و رزم کو طول نہ دیا کہ شائقان فسانہ و حکایت اندک توجہ میں اِس کتاب کی خیال بندی اور قصص لطیفہ سے محظوظ ہوویں اور اس کم بضاعت کو دعاے خیر سے یاد کریں۔" (ص ۲-۳)

مردرق کے بعد ایک عبارت میں لکھا ہے کہ کتاب "۱۸۴۴ع میں چھاپا گیا" یہ چھپنا شروع ہونے کی تاریخ ہے۔ چنانچہ خاتمے (ص ۴۱۰) میں اُس کے چھپنے کی تاریخ ۷ راگست ۱۸۴۶ع مطابق ۱۴ شعبان ۱۲۶۲ھ درج ہے۔ اس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ دو برس میں کتاب چھپ کر تیار ہوئی تھی۔

پوری کتاب کے ترجمہ کرنے کا ارادہ خواجہ آمان دہلوی نے کیا اور کئی جلدیں ختم

بھی کرلیں۔ اُسی زمانے میں سیّد فرزند احمد صفیر بلگرامی نے بعض جلدوں کا ترجمہ کیا[۱]
لکھنؤ میں مرزا محسن علی خاں عرف آغا جو نے کئی جلدیں ترجمہ کیں اور اُن کے بعد
اُن کے بھائی مرزا محمد عسکری عرف چھوٹے آغا نے اُن کے کام کی تکمیل کی۔ اِن
میں سے زیادہ مشہور آمان کا ترجمہ ہے۔

——— س ۶-۷ : "کاہے اوس نے بوستان خیال میں کچھ اور تماشا دکھلایا
گویا باغ ارم کو ہندستان میں اوٹھا لایا" مگر تینوں مطبوعہ نسخے : "کاہے... اوٹھا
لایا اوس نے ... کچھ اور ہی تماشا دکھلایا"

——— س ۱۴ : "ستار کا خیال جو آیا" حدائق انظار اور (ع) : "ستار کا جو خیال ہوا"
(م ۲) : "ستار کا جو خیال آیا"

——— س ۱۵ : "کھینچی" بجائے "کھینچی"۔

ص ۹، س ۱۔ پہلے تین لفظ غالب نے کئی بار قلم پھیر کر کاٹے ہیں۔ یہ ترک
کے لفظ ہیں مگر دستور یہ ہے کہ اگلے صفحے میں جو لفظ سب سے پہلے آنے کو ہے اُسے
پچھلے ورق کی اخیر سطر کے نیچے لکھ دیتے ہیں۔ یہاں کاتب نے تین لفظوں کی
ترک قرار دی۔ یہ ناپسند ہوئی۔

——— س ۳ : "کی فارسی کے" اور نسخوں میں : کی فارسی نثر کے۔

——— س ۴ : "حکیم قسطاس" غالب نے اختصار کی جہت سے لکھا ہے۔ پورا نام
"حکیم قسطاسُ الحکمت" ہے۔ قسطاس یا قِسطاس ترازو کو کہتے ہیں۔ "بنی نوعِ انسان
ایک حکیم عالی قدر والا دودمان جمیع علوم بے قیاس حکیم قسطاس الحکمت نام ہے"
(حدائق انظار ص ۲۳۳)

---

[۱] دیکھو "مآثر غالب" از قاضی عبدالودود (علی گڑھ) ص ۴۴

ـــــ س ۵ : "صنار"، کاتب کا سہو ہے۔ صحیح "ضار" ہے یعنی ضرر پہنچانے والا، بدسرشت "منکوس" = اُلٹا؛ بچہ جو ماں کے پیٹ سے اُلٹا پیدا ہوا ہو۔ "ضارِ منکوس" اور "جمشید خود پرست" کی حقیقت یہ ہے کہ دمشق اور مصر کے حاکم کا ایک حبشی غلام تھا "کافور" نام جو حاکم کا بڑا معتمد تھا۔ "کافور کے ہاں اِس صورت کا ایک بچہ روسیاہ پیدا ہوا کہ جس کی پیشانی ظلمانی سے آثارِ شرارت و بےحیائی ... ظاہر و ہویدا تھے۔ کافور نے اُس بچے کا نام جمشید رکھا۔" (ریاض الابصار، ص ۷)۔ "نواحِ مصر میں ایک مردِ ملحد ضارِ منکوس نام، حکمت پیشہ، طبعی مذہب، رہتا تھا یعنی وہ مردود صانعِ حقیقی کا قائل نہ تھا۔ البتہ علم نجوم و علم طب نیرنجات اور علم سحر و طلسم میں اُس کو فی الجملہ دستگاہ تھی اور روز و شب اِسی فکر میں مُبتلا رہتا تھا کہ کوئی بادشاہ ایسا صاحبِ طالع پیدا کرنا چاہیے کہ وہ معمورۂ دنیا میں کوسِ صاحبقرانی بجائے اور میں اُس کا مدارالمہام ہوں اور اُس کو طریقۂ خود پرستی تعلیم کروں تاکہ فرقۂ اسلام کا تخم جہان میں باقی نہ رہے۔" اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے اُس نے جمشید کو منتخب کیا۔ (ریاض الابصار، ص ۸)

ـــــ س ۸ - ۹: "عبارت آرائی ..... پیرایۂ تحریر دیا ہے" یہ بات اُن عبارتوں سے واضح ہوتی ہے جو اوپر کے دو حاشیوں میں نقل ہوئی ہیں۔

ـــــ س ۱۲: "پیارا بھتیجا" کو قلمزد کیا ہے۔ اور تینوں نسخوں میں ہے: "بھتیجا اور پیارا بھتیجا"۔ ظاہرا پہلے غالب نے "بھتیجا اور" کو حذف کر دیا تھا، کاتب نے اُس کے مطابق دو لفظ کتابت کیے۔ نظرثانی کے وقت وہ بھی بے ضرورت دکھائی دیے۔

ـــــ س ۱۵: "مانگ لیا ... تھک گیا" اور تینوں نسخے: "مانگ لایا ... تنگ آگیا۔"

رقعہ [۱]

[(ع) ص ۸۹، (م) ص ۱۸۶، خطوط ص ۲۷۴]

اِس رقعے کی پہلی سات سطریں بہت ردّ و بدل کا نتیجہ ہیں۔

ص ۱۰، س ۶ : "برخوردار سچ کہیو" کو لال روشنائی سے قلمزد کر کے حاشیے پر "سچ کہنا" لکھا ہو۔ شانِ خط غالب کے قلم کی سی ہو۔ (ع) اور (م) میں بھی "برخوردا" نہیں، "کیوں سچ کہیو" ہو۔ شاید پہلے "کیوں" کی جگہ "برخوردار" کر دیا ہو۔ نظر ثانی پر اُسے بھی کاٹ دیا اور "کہیو" پر "کہنا" کو ترجیح دی۔

—— س ۷ : "واہ کیا شیوہ ہو اور پھر ... گویا وہ" (ع) اور (م) : "ہاے کیا اچھا شیوہ ہو جب تک یوں نہ لکھو وہ۔"

—— س ۱۰ : "موقوف کیا" (ع) اور (م) : "اور وقت پر موقوف رکھا۔" اِس کے بعد "میر نصیرالدین" تک کئی سطریں تھیں جو حذف کر دیں۔

ص ۱۱، س ۲ : "سسرک" بجاے "سرک"

—— س ۴۔ کاتب نے "مستبر" لکھا تھا۔ بعد کو اُس کے نیچے "پ" کے نقطے لگائے گئے ہیں اور "ت" کے دو نقطوں پر "ٹ" کا (ط) بنایا گیا ہو اور وہ اتنا بڑا کہ اُس کے دامن نے دونوں نقطوں کو دبا لیا ہو۔ یہ اصلاح غالب کے قلم کی معلوم ہوتی ہو۔

رقعہ [۲]

[(م ۲) ص ۵۷، خطوط ص ۲۵۳]

یہ رقعہ (ع) میں نہیں ہو۔ (م ۲) میں "تم تو ... قصہ کیا ہو" نہیں ہو اور رقعہ

شروع یوں ہوا ہی: "بھاءی کیا پوچھتے ہو، کیا لکھوں، قاطع بُرہان کے مسودے ...." اور وہ اڈر ہی خط ہی جو یوں شروع ہوتا ہی: "بھاءی، کیا پوچھتے ہو، کیا لکھوں۔ دِلّی کی ہستی ..." (رقعہ[۵]؛ ع، ص ۹۲؛ م، ص ۱۸۲)۔

ص ۱۱، س ۱۰: "باالکل" میں جو زائد الف تھا قلمزد کردیا ہی۔

___، س ۱۱: "کرلیں ہیں"۔ یہاں "لی" کی جگہ "لیں" سہو قلم ہی جس پر شاید نظر نہیں پڑی۔ "ایک میرے واسطے ایک بھاءی ... کے واسطے" یہ پورا فقرہ سُرخی سے قلمزد کردیا ہی مگر قلمزد ہونے سے پہلے ہی "بھاشی" جو (م ۲) میں بھی نہیں ہی، بین السطور کالی روشناءی سے لکھا جاچکا تھا اور یہ لفظ غالب ہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہی۔

ص ۱۲، س ۶: "جما" اصل اس نام کی "جُمعہ" ہی مگر ہندستان کے آن پڑھ طبقوں میں اِس کا تلفظ "جُمّا" ہی اور یوں ہی لکھا بھی جاتا ہی۔

___س ۷: "کھڑا" یعنی "گھڑا"

___س ۸: "وہ امر معنی مصدری دیتا ہی اور اس شین کو حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔ یہاں "اس" کے الف کے نیچے لال روشناءی سے کسرہ ظاہرا مقابلے کے وقت خود غالب نے لگایا ہی۔ لیکن صرف "اِس شین کو" درست نہیں۔ م ۲ (ص ۵۸) میں "اِس شین" کی جگہ صرف "اُس" ہی۔ غالباً (م ۲) کے مُصحح نے یہاں "شین" کو مُخل پاکر حذف کردیا اور "اِس" کو "اُس" بناکر اپنی دانست میں عبارت کو بامعنی کردیا، پر جملہ پھر بھی ٹھیک نہ ہوا۔ ایک اور صورت تصحیح کی یہ ہوسکتی ہی کہ "اس شین کو" کے بعد ایک اور "شین" داخل کیا جاءے: "اور اس شین کو [شینِ] حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔" مگر شاید اِس سے بہتر ہو کہ "شین" اور "کو" کو مقدّم مؤخّر کرکے یوں پڑھیے:

"اور اِس کو شین حاصل بالمصدر کہتے ہیں۔" غالب کے ذہن میں "اِس [امرمع شین" تھا؛ پڑھنے والے کے شعور پر بھروسا کرکے "اس شین" پر قناعت کرلی۔

—— س ۱۲: "بن جاتا" بجاے "بن جاتا۔"

ص ۱۳، س ۲: "نکلا ... کہاں سے لایا" (م۲): "نکلا ... کہاں سے لایا"۔ ظاہرا نظرثانی کے وقت اصلاح کی ہے۔

—— س ۴: "زیادہ ترزیادہ"۔ (م۲) میں یہ نہیں ہے؛ بلکہ یہاں دو ڈھائی سطر عبارت اور ہے، جسے خارج کرچکے ہیں۔

رقعہ [۳]

[(ع)، ص ۷۰، (م) ص ۱۷۹؛ خطوط ص ۲۶۸]

اس رقعے کو سراسر قلمزد کیا ہے، اور "نوشتہ شد" اور "مقابلہ نمودہ شد" پر بھی قلم پھیر دیا ہے۔

ص ۱۴، س ۱: رقعے کے آخر میں تاریخ "پنجشنبہ ۲۳ مئی" ہے جو (ع) میں حذف ہوگئی ہے اور (م) میں بھی نہیں ہے۔

رقعہ [۴]

[(ع) ص ۹۸ (م) ص ۱۷۹، خطوط، ص ۲۷۷]۔

ص ۱۴، س ۳-۷: "اچھا ... گرفتار نہیں" یہ عبارت لال روشنائی سے کاٹ دی ہے۔ مقصود یہ تھا کہ رقعے کی ابتدا کی صورت یہ ہو: "یہ صاحب، تمھارے بھائی نے سخت ....."

ص ۱۴، س ۳ : "ڈگھوسلا"۔ (ع) : "ڈھکوسلا"۔ مگر (م) اور (م ۲) :
"ڈھکوسلا"۔ اِسے "ڈکھوسلا" بولنا اور لکھنا دِلّی کے لہجے سے متعلق ہے تفصیل اِس
کی مقدمۂ "خطوط" (صفحہ ط۔ی) میں دیکھی جائے۔

اُس زمانے میں "گ" پر دو مرکز بہت کم لگاتے تھے اور سیاقِ عبارت
سے معلوم کرلیتے تھے کہ "ک" پڑھنا چاہیے یا "گ"۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو
"گ" کو دو مرکز لگانا بہت ضروری جانتے تھے۔ اِس نسخے کا کاتب کہیں کہیں "گ"
کو بھی دو مرکز لگا جاتا ہے جیسے یہاں، اور "دگیھو" اور "آنگھیں" (ص ۸) ؛
"دگہاتی" (ص ۱۵) ؛ "دگیھہ جاؤ" (ص ۱۹) ؛ "آنگھوں" (ص ۲۸)۔ مقابلے کے
وقت اِدھر خیال نہ گیا اور اصلاح کی نوبت نہ آئی۔ اکثر ہوتا ہے کہ سہوِ تخفیف ہے
اور تصحیح کرنے والا غلط لکھے ہوئے کو صحیح پڑھتا ہوا گذر جاتا ہے۔

ـــس ۸ : متن میں "نعل در آتش" کے اوپر ستارے کا نشان سرخ
روشنائی سے بنایا ہے۔ پھر وہی نشان نچلے حاشیے میں بناکر "بیقرار" کے لفظ
سے اُس کی تشریح کی ہے۔ یہ حاشیہ غالب ہی کے قلم سے ہے۔ اِسی نشان کا
ایک حاشیہ اگلے صفحے پر آتا ہے۔

ص ۱۵، س ۲ : "جگنون"۔ یہ لفظ (ع) میں بھی ایک زائد "ن" کے ساتھ
لکھا ہے۔ چونکہ غلط تھا، لال روشنائی سے دوبارہ قلم پھیر کر اُسے کاٹا ہے لیکن
روشنائی بہت پھیکی ہے۔ غور کرنے پر وہ لکیریں دکھائی پڑتی ہیں۔

ـــس ۴ : "سینکروں" بجائے "سینکڑوں"۔

ـــس ۵ : "غلّہ" بین السطور اِضافہ ہوا ہے اور کالی روشنائی سے غالب کے
ہاتھ کا لکھا معلوم ہوتا ہے۔ (ع) اور (م) میں بجائے "غلّہ" کے "اناج" ہے۔

ـــــ ص ۹ : متن میں " رستاخیز " پر اُسی پھیکی روشنائی سے ستارہ بناکر صفحے کے نیچے حاشیے میں یہ ایک سطر لکھی ہے : " اِس لفظ میں سے ابجد کے حساب سے ۱۲۷۸ کا عدد نکلتا ہے ۱۲ " شان غالب کے خط کی ہے۔

رقعہ [۵]

[(ع) ص ۹۲ ، (م) ص ۱۸۲ ، خطوط ص ۲۵۸]

ص ۱۵ ، س ۱۱ : " پڑھتی " اور یہی صحیح ہے ، لیکن (ع) ، اور (م) : " پڑھتے "

ص ۱۶ ، س ۱۲ - ۱۵ : ان سطروں کو " مجتہد العصر " سے لے کر آخر تک سرخ روشنائی سے قلمزد کر دیا اور " چلے جاؤ " کے اوپر " فقط " اور اُس کے سامنے بائیں ہاتھ کی طرف ، حاشیے میں " تاریخ لکھی جائیگی ۱۲ " لکھ دیا۔ مزید وضاحت کی غرض سے ایک اور ٹیڑھا خط کھینچا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ " فقط " کے بعد ساری عبارت خارج ہو جائے۔ صرف تاریخ یعنی " صبح جمعہ ۶ جمادی الاول ۲ دسمبر سال حال " برقرار رہے گا۔ یہ ردّ و بدل بھی غالب ہی کے قلم سے ہوئی ہے۔

رقعہ [۶]

[(م ۲) ص ۱۶۲ ، خطوط ص ۲۸۲]

یہ رقعہ صرف ایک ٹکڑا ہے اُس ایک صفحے بھر لمبے خط کا جس کے آغاز کی چند سطریں لے لی ہیں۔ بعد کو اُس میں سے بھی اخیر ڈیڑھ سطر لفظی ہوگئی۔ آخر میں جو تاریخ لکھی ہوئی تھی : " منگل کا دن ۲۲ جمادی الثانی ۱۶ دسمبر پہر دن چڑھے " وہ بھی رقعے میں شامل نہیں کی۔

ص ۱۷، س ۴: "عشرہ مبشرہ یعنی" (م) میں نہیں ہے اور س ۵: "ابن فضل اللہ خان" بھی (م) میں نہیں ہے۔

ص ۱۷، س ۸-۹: "جاڑا ... بوتل گلاس موقوف۔" یہ عبارت روشنائی سے قلمزد ہوئی ہے۔ آخر میں یہ علامت (مم) بنی ہوئی ہے۔ قلم غالب ہی کا ہے۔

رقعہ [۷]

[(ع)، ص ۹۱، (م) ص ۱۸۵، خطوط ص ۲۶۴]

ص ۱۷، س ۱۴: "مگر میں نے"۔ (ع) میں بھی اسی طرح ہے، لیکن (م): "میں نے"

ص ۱۸، س ۱: "وجہہ یہہ ہے"۔ یہاں لفظ "وجہہ" کو لال روشنائی سے قلمزد کر کے اُس کے اوپر صحیح صورت "جہ" لکھ دی ہے۔ مگر پھیکی روشنائی نے اِس اِصلاح کو بہت ہی دُھندلا کر دیا ہے۔ یہاں یہ سوال اُٹھتا ہے کہ اُسی کے آگے "یہہ" کا لفظ تھا، اُس میں یہی اصلاح کیوں نہ کی؟

جواب اس کا یہ ہے کہ عربی لفظ "وَجہ" کو اگر "وجہہ" لکھیے تو صحیح نہیں اِس لیے کہ پہلی صورت میں ایک "ہ" ہے دوسری میں دو "ہ" ہیں یعنی اس دوسری صورت میں "وَجہُہُ" پڑھیں گے یا "وَجہَہٗ" (جیسے کرّم اللہُ وَجہَہٗ) یا "وَجہِہٖ"۔ اب اکثر لوگ نادانی سے "شُبہہ" کو "شبہ" لکھنے لگے ہیں اور "جبہہ" کو "جبہ"[۱]۔ فارسی میں بعضے لفظوں کے آخر میں "ہ" ملفوظ ہوتی ہے جیسے "شَہ" اور "مہ" اور بعضوں کے آخر میں مختفی "ہ" ہوتی ہے جیسے "بستہ" اور گذشتہ" وغیرہ یا کہ"۔ "چہ"۔ ان لفظوں

[۱] دیکھو مقدمۂ خطوط غالب، ص "ز" س ۱-۷

میں "ہ" اپنی اصلی آواز نہیں رکھتی بلکہ اُس کا کام اتنا ہی ہے کہ اپنے ماقبل کی حرکت کا اظہار کر دے۔ اُردو میں عربی "ہ" اور فارسی ملفوظ اور مختفی "ہ" کے علاوہ ہندی کی مخلوط التلفظ "ھ" بھی ہے یعنی ایک حرف تین تین آوازیں دینے لگا لکھنے والوں نے یہ تدبیر کی کہ مختفی "ہ" کو جوں کا توں رہنے دیا اور ملفوظ کو یوں لکھنے لگے "یہہ" ظلم کوئی نہ سہہ سکے گا" اور ساتھ ہی ساتھ ہندی کی مخلوط "ھ" کو بھی اسی طرح لکھنے کا رواج ہوگیا: کچہہ، مجہہ، پوچہہ گچہہ، مگرمچہہ وغیرہ۔ نستعلیق اور شفیعا خط کے دستور کے مُطابق گھرے پیٹ والی "ھ" (یعنی ہے جسے کیچیثمی کہنا زیادہ بہتر ہوگا) مُرکب کے آخر میں آ ہی نہ سکتی اس لیے کاتبوں کے نزدیک یہ دُہری "ہہ" دُہری نہ تھی بلکہ ایک ہی حرف تھی اور اخیر دُمچی کی بنا محض حُسنِ کتابت پر تھی۔ خلاصہ یہ کہ کتابت کی یہ صورت کاتبوں کے اضطرار کا ایک ناقابلِ اطمینان نتیجہ تھی اور رسم خط کے مصلحوں نے بالآخر ایک معقول حل اس مشکل کا پایا کہ مخلوط "ہ" کے لیے دوچشمی "ھ" لکھی جایا کرے۔ لیکن غالب کے زمانے میں، اور اُس کے بعد بھی، یہ اصلاح عام طور پر رائج نہ ہوئی تھی۔ ہاں، مُحتاط لکھنے والے عربی اور فارسی لفظوں میں یہ مکرر "ہہ" لانے سے پرہیز کرتے تھے۔ اور یہیں سے ہے کہ غالب نے یہاں "وجہہ" کو کاٹ کر "وجہ" بنایا ہے۔ مگر یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ اس احتیاط پر بھی اُن کے قلم سے کہیں کہیں "وجہہ" یا اس قسم کا کوئی لفظ نکل گیا ہے (مثلاً "خطوط" ص ۲۸۱ کے مقابل اُن کے قلم کی تحریر کے عکس کی پہلی سطریں)۔ یہ جو اُردو اِنشا کی ایک درسی کتاب بنا رہے تھے، اس میں یہ نکتہ اُن کی نظر سے کیونکر نہ جاتا؟

ص ۱۸، س ۳: "مجتہدالعصر" سُرخ روشنائی سے قلمزد۔

۔۔۔ ، س ۶ : " دیناتاکہ" ۔ یہاں "تا" اضافہ ہوا ہے۔ (ع) اور (م) : " دیناکہ"۔

۔۔۔ س ۷ : اِس خط کے لکھے جانے کی تاریخ آخر میں درج ہے۔ (ع) اور (م) میں دن تاریخ کچھ نہیں۔

رقعہ [۸]

[(ع) ص ۹۶ ، (م) ص ۱۷۹ ، خطوط ، ص ۲۸۰]

ص ۱۸ ، س ۹ : یہ رقعہ اُس خط کا ایک ٹکڑا ہے جو یوں شروع ہوتا ہے : "واہ حضرت کیا خط لکھا ہے۔ اِس خرافات کے لکھنے کا فائدہ ؟" شروع کی عبارت قریب ایک صفحے کے خارج کر دی ہے۔"خدا کا قہر ہے" اس فقرے کو قلمزد کر دیا۔

۔۔۔ س ۱۰ : "کٹہری کی طرف" یعنی "کٹہرے کی طرف" چنانچہ (ع) اور (م) : "کٹہرہ کی طرف۔"

۔۔۔ س ۱۵ : "خط لکھوں کہاں بیٹھ کر" نظرثانی کے وقت لفظوں کی ترتیب بدلی ہے۔ ورنہ (ع) اور (م) : خط کہاں بیٹھ کر لکھوں"

ص ۱۹ ، س ۳ : " حال کی فکر" کاتب سے "فکر" کا لفظ رہ گیا تھا۔ غالب نے اپنے قلم سے لکھا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غالب "فکر" کو مؤنث بولتے تھے۔

۔۔۔ س ۴ : " بالفعل"۔ غالب نے زائد الف کو قلمزد کر دیا ہے۔

۔۔۔ س ۶ ۔ ۷ ۔ دو لفظوں " قدرت" اور "کیا" کو کاتب مکرّر لکھ گیا تھا۔ پہلے کو کاٹ دیا، دوسرے کو لال روشنائی سے کاٹا ہے۔

۔۔۔ س ۱۰ : " مجتہد العصر" میر سرفراز حسین کے اِس "خطاب" پر دوبارہ قلم پھیرا ہے

— س ۱۱-۱۳: "اہاہاہا" سے لے کے "دعا کہنا" تک لال روشنائی سے قلمزد ہے۔

— س ۱۳-۱۴: میں سے "صبح جمعہ ۲۶ ستمبر ۱۸۶۲ء" کو رہنے دیا۔ یہاں "ستمبر" کی "تصحیح" کی طرف شاید خیال نہ گیا۔

— س ۱۵: "رقعہ" قلمزد۔

رقعہ [۹]

[(ع) ص ۹۷، (م) ص ۱۷۷، خطوط ص ۲۵۹-]

یہ رقعہ سارے کا سارا قلمزد کر دیا ہے (ص ۲۰-۲۱)

ص ۲۰، س ۴: "جاتا" کاتب کے قلم سے اضافہ ہوا ہے۔

— س ۵: "دو جرعی پی لئی" (ع): "دو جرعہ پی لیی"؛ (م): "دو جرعہ پی لئے" یعنی دو جرعے پی لیے۔

— س ۶: "پنسن پنسن"۔ (ع) اور (م): "پنشن پنشن"۔ لیکن غالب نے ہمیشہ اس لفظ کو "پنسن" ہی لکھا اور مذکر استعمال کیا ہے۔ خواجہ غلام غوث نے ٹوکا بھی،[۵۱] مگر معلوم ہوتا ہے غالب نے اُن کے اعتراض کو مانا نہیں۔

— س ۸: "گورنر" کے بعد "بہادر" لکھنا کاتب بھول گیا ہوگا۔ مرزا صاحب نے بین السطور اضافہ کر دیا۔

— س ۹-۱۰: "میرا نام فرد میں"۔ (ع) اور (م) میں یوں ہی ہے۔ اِس مجموعے کے کاتب نے بھی اُسی طرح لکھا۔ مقابلے کے وقت اوپر بین السطور "درباؔر کے" لکھا گیا ہے جو یقیناً غالب کے قلم کا لکھا ہے۔

---

[۵۱] "فغانِ بیخبر" (آگرہ آباد، ۱۸۹۱ء) ص ۸۱۔

رقعہ [۱۰]

[یہ رقعہ (ع) اور (م) میں نہیں ہے۔ صرف اِسی مجموعے میں پایا گیا اور یہیں سے "خطوط" میں نقل ہوا۔]

ص ۲۱، س ۶ : "برخوردار"۔ یہ لفظ لال روشنائی سے کاٹا گیا ہے۔

— س ۱۲: کاتب لفظ "کے" مکرر لکھ گیا تھا۔ ایک اُن میں سے قلمزد کر دیا گیا۔

— س ۱۵: کاتب نے "اجنٹ" لکھا تھا۔ سُرخی سے اُسے انگریزی تلفظ کے مُطابق "ایجنٹ" بنایا ہے۔ "لارد" تھا؛ "د" پر (ٹ) سُرخی سے بنایا گیا ہے۔

ص ۲۲، س ۴-۵ : "نظم: افق ہا... تہی" کو لال روشنائی سے قلمزد کیا ہے۔

رقعہ [۱۱]

[(ع) ص ۹۱، (م) ص ۱۸۳، خطوط، ص ۲۶۷]

ص ۲۳، س ۹ : "ہراک" کاتب نے "ہرایک" لکھا تھا۔ "ایک" کو چھیل کر "اک" بنایا ہے۔ روشنائی کا نشان نہ رہا، لیکن "ی" کے شوشے اور نقطوں کا اثر باقی ہے۔ بعد اِصلاح کے شعر یوں ہوگیا:

نہیں لیتا ہوں فرطِ رشک سے نام
ہراک سے پوچھتا ہوں وہ کہاں ہے

— س ۱۰-۱۳ : "ای میر صاحب تمھیں شرم نہیں آتی ... تم ... کرتے ہو"۔ مجروح کی غزل کا مقطع تھا:

سخنگو، یوں تو اک عالم ہے مجروح
میاں، یہ اہلِ دہلی کی زباں ہے

غالب نے دوسرے مصرعے پر طنزاً لکھا تھا: "ای میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی۔۔ تو... تعریف کرتا ہی"[۵] چونکہ اُستاد کو دوسرے مصرعے کا مضمون ناپسند ہوا تھا مجروح نے بجائے اُس کے یہ مصرع لکھ دیا: "مرے اُستاد کی، پُر کیا زباں ہی!" (دیوان مجروح، طبع لاہور، ص ۱۴۱)۔

—س ۱۳۔ کاتب نے "لکھنؤ" کو "لکھنو" لکھا ہی۔ اس پر نظر نہیں پڑی۔

—س ۱۴-۱۵۔ "موجود ہیں" کے بعد کے نقطے بتاتے ہیں کہ یہاں سے کچھ حذف کیا گیا ہی۔ جو عبارت یہاں سے حذف ہوئی ہی اُس میں شہر کی ویرانی کی شکایت ہی۔

ص ۲۳، س ۳: "کمپ۔ (ع اور م) کی طرح اس نسخے کے کاتب نے "کنپ" لکھا تھا۔ غالب نے لال روشنائی سے اصلاح کرکے اُسے "کمپ" بنایا ہی۔ (ع) اور (م): "دلّی واللہ اب شہر نہیں ہی کنپ ہی، چھاؤنی ہی۔ نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر" رقعہ یہیں ختم ہوگیا۔ بعد کی دو ڈھائی سطریں غالب نے پہلے ہی حذف کردی تھیں۔

رقعہ [۱۲]

[دیکھو (ع)، ص ۹۰، (م)، ص ۱۸۵، خطوط، ص ۲۷۲]

ص ۲۳، س ۴: عنوان بجائے "رقعہ" کے کاتب "قلعہ" لکھ گیا۔ یہ سہو ظاہرا اِس باعث سے ہوا کہ اِس سے اوپر والی سطر میں "قلعہ" کا لفظ سامنے تھا۔ بے خیالی میں وہی لکھ دیا۔ غالب کی نظر اس پر نہ پڑی اور تصحیح نہ ہوئی۔ یہ رقعہ بھی ایک طویل خط کا صرف ایک ٹکڑا ہی۔

---

[۵] (ع) اور (م) میں اِسی طرح ہی۔ بے تکلفی کے لفظوں "تجھے" وغیرہ کو غالب نے اِس درسی کتاب میں نامناسب جان کر بدل دیا ہی۔

— س ۵ : " جمعہ ... جولائی " صرف اسی نسخے میں ہے۔ (ع) اور (م)
میں نہیں ہے۔ تقویم کے حساب سے جمعہ ۱۷ محرم ۱۲۷۸ھ مطابق ہے ۲۶ جولائی ۱۸۶۱ء سے۔
— س ۹ : " اوسوقت "۔ (ع) اور (م) : " اوسیوقت "
— س ۱۲ : " شرمساری ہے "۔ (ع) اور (م) : " شرمساری ہوئی۔ "
— س ۱۲ : " چھیاسٹھ "۔ کاتب نے " چھیّاسٹ " لکھا تھا۔ غالب نے " سٹ "
کو کاٹ کر اُس کے اوپر لال روشنائی سے " سٹھ " لکھا ہے۔ (ع) : " چھاسٹھ "۔
(م) : " چھیاسٹھ اور یہی صحیح ہے۔
— س ۱۵ : " کڑھتا ہے " رقعہ یہاں ختم ہوگیا۔ (ع) اور (م) میں اس
کے بعد اس سے دو نی عبارت اور ہے۔

رقعے ختم ہوئے
صفحہ ۲۴ پر لطیفے شروع ہوتے ہیں

نقل [لطیفہ ۱]

یہ لطیفہ " یادگار غالب " (ص ۶۹) میں مختصر طور پر لکھا گیا ہے۔ یہاں غالب نے اپنے مقابلے میں حضرت واعظ کو لاکر اِسے زیادہ مزیدار بنادیا ہے۔

لطیفہ [۲]

ص ۲۴، س ۱۰ : " ترک سوار " سے مُراد ہے سواروں کی فوج کا سپاہی۔
نوراللغات میں جو تشریح اس اصطلاح کی کی ہے درست نہیں۔ " تِلنگے " (واحد تلنگا)
جنوبی ہند میں فرانسیسیوں اور انگریزوں نے اپنے طور پر ہندستانیوں کو فوجی تعلیم دی اُ

سپاہیوں کے لیے ایک ہی وضع قطع کی وردی لازم قرار دی۔ یہ باقاعدہ ہندستانی فوجیں ملک کے اور حصّوں میں بھی مہم پر بھیجی جانے لگیں۔ یہ سپاہی عموماً تلنگانے (آندھرا دیس) کے رہنے بسنے والے تھے۔ اس لیے اور جگہ، خاص کر شمالی ہند میں، باقاعدہ فوج کا سپاہی "تِلنگا" کہلانے لگا۔ انگریز سپاہی "گورے" اور ہندوستانی سپاہی "تِلنگے" کہلاتے تھے۔ یہ جو "باغی تُرک سوار اور تلنگے" دلی میں آئے اور شہر پر اور قلعے پر اُنھوں نے قبضہ کیا سب ہندستانی تھے۔ تُرک یا تِلنگانے والا ان میں ایک بھی نہ تھا۔ جنوبی ہند کی فوج کی کمک بہت بعد میں پہنچی۔ میرٹھ میں ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو شورش شروع ہوئی اور دوشنبہ ۱۱ مئی کو باغی فوج دلّی آپہنچی۔ اُس وقت سے ۱۳ ستمبر تک دلّی میں انگریزوں کی حکومت نہ رہی۔ ۱۴ ستمبر کو انگریزوں نے دلّی کو فتح کرلیا۔ اتّفاق سے یہ بھی دوشنبے کا دن تھا۔

یہ "لطیفہ" یا "رمز" غالب کے شاعرانہ تخیل کا نتیجہ ہے، جسے انھوں نے اپنی فارسی کتاب "دستنبو" (طبع آگرہ، ۱۸۵۸ء، ص ۲۶) میں لکھا تھا۔ یہ اُسی کا اُردو ترجمہ ہے۔

نقل [لطیفہ ۳]

یہ حکایت حضرتِ غالب کی آپ بیتی ہے جو پہلے "دستنبو" (ص ۴۴)[1] میں بیان ہوئی تھی۔[2] مگر وہ مجمل تھی، یہ مفصّل۔ اسی درسی کتاب کے لیے شاید نامناسب جان کر اس ساری حکایت پر قلم پھیر دیا ہے۔

ص ۲۵، س ۴: "غدر"۔ ۱۸۵۷ء کی شورش کو عام طور پر "غدر" کہتے ہیں۔

---

[1] نیز دیکھو "یادگار"، ص ۳۶-۳۷۔

[2] واقعہ ۵ اکتوبر "روزِ اندوہ اندوز دوشنبہ" کا ہے۔

یہ انگریزی لفظ "میوتنی" کا ترجمہ ہے۔ "ردبکاری" (رد + بہ + کار + ی)، ہندستان کے اہل دفتر کی اصطلاح میں، کسی کے خلاف عدالتی کارروائی خاص کر فوجداری عدالت میں۔

ـــ س ۵ : "بَتّی ماروں"۔ دِلّی کا ایک محلّہ، چاندنی چوک کے قریب۔

ـــ س ۱۰ : "سارجن"۔ انگریزی لفظ "سارجنٹ" کی تصغیر۔

ـــ س ۱۲ : "وَل"۔ انگریزی لفظ "وِل" خوب کا مُرادف۔

ـــ س ۱۳ : "ہَیم"۔ سُور کا گوشت۔ "ہوک" = انگریزی "ہُوگ" ("خُواب" کے وزن پر) یعنی خوب کھلاکر موٹا کیا ہوا سُور جس کی ران کے گوشت کو "ہیم" کہتے ہیں۔ ہندستانی خانساماں کی اصطلاح میں "ہیم ہوک" = سور کا گوشت عموماً۔

"دستنبو" میں یہ ٹکڑا "آدھا مسلمان" والا کسی مصلحت سے مرزا صاحب اُڑا گئے ہیں، چنانچہ مولانا حالی بھی اِسے "حسنا ہو" کہ کر روایت کرتے ہیں۔[۵۵] اصل حقیقت اب اس قلمی نسخے سے معلوم ہوئی کہ یہ گفتگو سارجنٹ سے ہوچکی تھی۔ کرنل برون کے سامنے مرزا صاحب اس کے بعد گئے اور صرف وہ باتیں ہوئیں جن کا آگے کی سطروں میں ذکر آیا ہے۔

ص ۲۶، س ۲ اور ۵ : "باوٹی" ("باوٹا" کی تصغیر)۔ جھنڈی، جھنڈا۔

۱۸۵۷ء کے معرکے میں ہندستانی فوجوں نے پہلے ہی دن دِلّی کا رُخ کیا اور ۱۱ مئی کو وہاں پہنچ کر سارے فوجی اِداروں پر حملہ کردیا۔ چار مہینے کالی فوج کی حکومت رہی۔ ۱۴ ستمبر کو انگریزوں نے شہر پر پھر قبضہ کرلیا۔ ہندستانیوں نے قلعۂ معلّی کو اپنی کارگزاری کا مرکز بنایا جو ایک محفوظ مقام تھا۔ انگریزوں نے شہر کے باہر محاصرے کا ڈول ڈالا۔

۵۵ - یادگار، ص ۳۶۔

شہر کے شمال مغرب کی جانب ایک پہاڑی سلسلہ، جو اراولی پہاڑ کا آخری سرا ہے اور بلندی اُس کی زیادہ نہیں ہے، مقابلے کے لیے تجویزا اور اچھا تجویزا۔ جلدی نہیں کی۔ دونوں طرف سے حملے ہوتے رہے۔ جا بجا سے سرکاری کمک آتی رہی اور مورچے بنتے رہے، تیاریاں ہر طرح کی ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۷ ستمبر کو اُسی پہاڑی پر جسے انگریزی میں "برج" اور دلّی کے لوگ "پہاڑی" کہتے تھے[له] توپیں لگا دی جا چکیں اور ۸ ستمبر کو "دشمن" پر خوب گولے برسائے گئے۔ مگر انگریز تاریخ نویس بھی مانتے ہیں کہ "دشمن کے گولنداز بھی خوب لڑے۔" ۲۱ کی صبح کو شاہی سلامی دی گئی۔ اور پھر ہُوا، جو کچھ ہُوا۔ اِسی پہاڑی پر تقریباً ایک صدی انگریزی جھنڈا اڑتا رہا۔ اب اُسی کے سامنے دلّی یونی ورسٹی کی عمارتیں بنی ہیں۔

——— س ۷ : "پانوں سے"۔ دوسرے نون کی نوک اور نقطہ، دونوں جا تو سے چھیلے گئے ہیں اور اس کا نشان کاغذ پر دکھائی دیتا ہے۔ غالب کے صرف ایک پانْو میں پھوڑے کی تکلیف تھی۔ دونوں میں ہوتی تو "پانْوں میں" کہتے۔ غالب کے نزدیک اِس لفظ کے الف میں غُنّہ ہے نہ کہ واو میں اور یہ رائے اُن کی صحیح ہے (دیکھو مقدمۂ "خطوط" صفحہ ح)

پہلا باب ختم ہوا

یہاں سے دوسرا باب شروع ہوتا ہے، جس میں غالب نے
اپنے دیوان میں سے ۳۱ شعر چھانٹ کر نقل کیے ہیں۔

ص ۲۸، س ۶ : "پلا دے اوک سے، ساقی ... الخ"۔ دوسرے مصرعے کا پہلا

له مولانا حالی بھی برون کے مُنہ سے "پہاری" ہی کہلواتے ہیں۔ ("یادگار" ص ۳۷)۔

لفظ "پیالہ" تھا اور کاتب نے یہی لکھا تھا۔ بعد کو خیال آیا ہوگا کہ اگر اس جگہ "گلاس" ہو تو صاحب لوگوں کے لیے مانوس ہوگا اور اُنھیں لطف زیادہ آئے گا۔ "پیالہ" چھیل کر "گلاس" کردیا۔

ـــ س اخیر: "ظُہور"۔ لفظ "ظُہُور" ہے۔ مرزا صاحب کی نظر نہ پڑی اور اور تصحیح نہ ہوئی۔

ص ۲۹، س ۱: "اک زمانا"۔ یہی شعر ص ۳۰ کی اخیر سطر میں پھر آیا ہے۔ دونوں جگہ الف سے لکھا ہے۔ (دیکھو "خطوط" کا مقدمہ، صفحہ آئی، سطر ۱۳)۔

ـــ س ۱۱: "خط ایک اور"۔ دیوان کے نسخوں میں بچلا لفظ "اک" ہے۔ چونکہ تقطیع دونوں طرح ہوجاتی ہے، ہوسکتا ہے کہ غالب نے "ایک" نہ ہنے دیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اُن کی نظر اِس لفظ پر پڑی ہی نہ ہو۔

ـــ س ۱۵: "مجھ"۔ کاتب سہواً ایک کی جگہ تین نقطے لگا گیا ہے۔

انشاے اُردو سے مقابلہ

(۱)

جناب بابو صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت
نیاز مہر کیشانہ و دعاے درویشانہ قبول فرمائیں ایک دن پہلے
تفقد نامہ اور دوسرے دن نسخۂ اِعجاز ہنگامہ پہنچا نظر اس تقدیم
و تاخیر پر خط کو پھول اور کتاب کو پھل سمجھا پھول سے نشاطِ تازہ
ص ۱۷۱ اور پھل سے لذّتِ بے اندازہ پائی جامِ جم جہاں نما ہوگا مگر کیا
جانیے کیا ہوگا بلکہ اِسی میں تردد ہے کہ نہوگا یا ہوگا جامِ جہاں نما

یہ کتاب ہی جس سے ہر دیدہ ور بہرہ یاب ہی یہاں تو میں مدح
میں قاصر رہا یہہ میں نے کیا کہا جس طرح دیدہ ور پڑھ کر حظ اُٹھا
سکتا ہی نابینا بھی سُنکر لُطف پا سکتا ہی فیض اِس کتاب کا عام نابینا
ہے جام جہاں نما اس کا سچّا نام ہی اسسٹنٹ کمشنر صاحب
بہادر کی خدمت گزاری اور اشاعت علم میں مددگاری ذریعۂ عز و افتخار
ہی مگر فقیر میں تین عیب ہیں ستر برس کی عمر کانوں سے بہرا ہمیشہ بیمار
ہی آمد و رفت دوام میں قاصر اور جو تحریر وہاں سے آیا کریگی
اُسکی مشورت میں حاضر رہیگا یہہ نہیں کہ نجاؤنگا آنکھوں سے
جاؤنگا مگر حسب الطلب یا حسب ضرورت کارگزار و فرمانبردار
رہونگا بہر صورت تعجب ہی کہ صاحب اسسٹنٹ بہادر نے
مجھے یاد کیوں نہ کیا بُلا کیوں نہ لیا یقین ہی کہ جب آپ یہہ خط
اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھجوا دینگے تو وہ مجھے بے
تکلف بلائینگے فقط

عنایت کا طالب غالب

[یہ خط "انشاے اُردو" تالیف مولوی ضیاءُالدین خان پروفیسر عربی، دہلی کالج، طبع ۱۸۶۶ع، ص ۷۰/۷۱، پر درج ہی۔ کسی اور مجموعے میں اب تک نہیں دیکھا گیا۔ "بابو صاحب"، کون ہیں؟ "نسخۂ اعجازِ ہنگامہ" کیا کتاب ہی اور کس کی تالیف؟
اس نقل میں اصل رسم خط کا پورا لحاظ رکھا گیا ہی۔ ع ص]

(۲) ص ۷۱/۷۲، ہمارے قلمی نسخے کا پہلا رقعہ (ص ۱۰/۱۱) ہی۔ صرف رسم خط ضیاؑ نے اپنی کتاب کے مطابق کر لیا ہی۔

(۳) ص ۷۳/۷۵، ہمارے نسخے کا دوسرا رقعہ (ص ۱۱/۱۳) ہے۔ رسم خط کی اصلاح کرلی ہے۔ مگر "نواب صاحب نے کرلیتی ہیں" (بعینہ)۔ یہ فقرہ خارج ہوگیا: "ایک میرے واسطے ایک بھائی ضیاءالدینخاں کے واسطے۔" اسی طرح لفظ "مگر" خارج ہوکر یوں: "یہہ یاد رہے...."، آخر میں "زیاد زیادہ فقط۔" یہ فقط ہمارے نسخے میں نہیں۔ اس کے بعد کا رقعہ جو ہمارے نسخے ص ۱۲/۱۴ میں قلمزد ہوچکا تھا ضیا نے نہیں لیا۔ پھر ص ۱۴ میں جو الفاظ و عبارات قلمزد ہیں اُنھیں بھی چھوڑ دیا ہے اور ص ۱۴، س ۲ سے جو رقعہ شروع ہوا ہے اُس کی صورت یہ ہے: "سید صاحب تمھارے بھائی نے سخت مشوش بلکہ نعل*[1] در آتش کر رکھا ہے۔.. الی آخرہ

ص ۱۵ س ۹ : سال رستاخیز*[2] ۱۲۷۸

—— س اخیر: "۱۵ دسمبر"۔ ضیا: "۱۵ سپٹمبر" جو صحیح نہیں ہوسکتا اس لیے کہ خود خط کے آخر میں تاریخ "صبح جمعہ ۶ جمادی الاول ۲ دسمبر سال حال" پڑی ہے (دونوں نسخوں میں)

ص ۱۶ س ۵: "مردود و مطرود محروم و مغموم" کی جگہ مردود و مطرود و محروم و مغموم" جو دخل بیجا ہے۔ (ہمارے نسخے کے کاتب نے "و" لکھا تھا جو چھیل دیا گیا ہے!)

—— س ۱۲-۱۴۔ قلمزد عبارت حذف کردی ہے اور لفظ "فقط" اور حاشیہ "تاریخ لکھی جایگی" کو چھوڑ دیا ہے

ص ۱۷، س ۷-۸۔ انا للہ و انا الیہ راجعون کے بعد کی عبارت (جو قلمزد ہے) حذف کردی گئی ہے۔

---

* بیقرار" [ع]

*۲ اس لفظ میں سے تاریخی حساب [سے] ۱۲۷۸ کا عدد نکلتا ہے ۱۲

انحراف (غالب)

ص ۱۸، س ۹۔ قلمزد لفظ حذف ہوا ہے

ص ۱۹ "ا‌ا‌ا‌ا...... دعا کہتا" (قلمزد) حذف ہوا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا
کہ ضیا نے "۱۸۶۲ء" کو کیوں چھوڑ دیا۔

ص ۱۹، س اخیر/ص ۲۱ س ۴ (قلمزد) حذف ہوا ہے

ص ۲۱، س ۶ "برخوردار" (قلمزد) حذف ہوا ہے

ص ۲۲، س ۴-۵۔ شعر جو قلمزد تھا حذف ہوا ہے

—— س ۸ - "پہنچے" اور "غالب" کے بیچ میں "فقط" کا لفظ ضیا نے
لاڈالا ہے۔ (!)

ص ۲۳، اخیر سطر۔ "فقط غالب" ضیا نے اضافہ کیا ہے (!)

حواشی

از

مالک رام

[مراجع ومخففات

انشاء اردو حصہ دوم (= اعدد (۲)) مرتبہ مولوی ضیاءالدین خان (مطبع فیض احمدی، دلی ۱۸۴۴ء)

خطوط غالب، طبع اول (= خطوط (۱)) مرتبہ مہیش پرشاد و عبدالستار صدیقی (الہ آباد ۱۹۴۱ء)

خطوط غالب، طبع دوم (= خطوط (۲)) ایضاً و مالک رام (سرفراز قومی پریس، لکھنؤ ۱۹۶۲ء)

اردوئے معلی (= م) از غالب (شیخ مبارک علی، لاہور ۱۹۲۲ء

کلیات نثر غالب (= نثر) از غالب (نولکشور، کانپور ۱۸۷۵ء)

دیوان غالب اردو (= دیوان) مرتبہ مالک رام (صدی ایڈیشن، دلی ۱۹۶۹ء)

یادگار غالب (= یادگار) از حالی (مکتبۂ جامعہ، نئی دلی ۱۹۷۱ء)

ذکر غالب (= ذکر) از مالک رام (طبع چہارم، نئی دلی ۱۹۶۴ء)]

صفحہ (ص) سطر (س)

۱ ۱ یہ دیباچہ غالب نے خاص اسی مجموعے کے لیے قلمبند کیا تھا اور ان کی کسی اور کتاب میں شامل نہیں ہوا۔

۲ ۲ میکلوڈ صاحب: سر ڈونلڈ فرائیکل میکلوڈ، لفٹنٹ جرنیل ڈنکن میکلوڈ (ف ۸ جون ۱۸۵۶ء) کے بیٹے ۶ مئی ۱۸۱۰ء کو کلکتے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم انگلستان میں پائی۔ ۱۸۲۸ء کے آخر میں واپس ہندوستان آئے۔ پہلے بنگال اور بعد کو وسط ہند میں تعینات رہے۔

ص س ۱۸۴۹ء میں پنجاب کے الحاق پر وہاں تقرری ہوگئی۔ مختلف عہدوں سے ہوتے ہوئے بالآخر ۱۸۶۵ء میں پنجاب کے لفٹنٹ گورنر بنادئے گئے۔ ۱۸۷۰ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے پر انگلستان چلے گئے، جہاں دو سال بعد ایک ریل کے حادثے میں ۲۸ نومبر ۱۸۷۲، کو لندن میں انتقال ہوگیا۔ کنسل گرین کے قبرستان میں مدفون ہیں، اس سے معلوم ہوگا کہ وہ اس زمانے میں فنانشنل کشنر نہیں تھے۔ یہ گتھی کیونکر سلجھ سکتی ہے؟

۲ ۵ نصراللہ بیگ خاں۔ غالب کے چچا۔ ان کا ۱۸۰۶ء میں انتقال ہوا۔ دراصل انھیں کی خدمات تھیں، جن کے صلے میں غالب کو پنشن اور خلعت وغیرہ ملا (ان کے حالات کے لیے دیکھیے، ذکر (طبع چہارم) ص ۲۸-۳۰)

۱۰ لارڈ الن برا بہادر = ہندوستان کے گورنر جنرل ۱۸۴۲ تا ۱۸۴۴ء۔ غالب کے مہربان اور سرپرست؛ انھیں ہفت پارچہ خلعت اور تین رقم جواہر کا اعزاز لارڈ الن براہی کے عہد میں ملا تھا۔

۱۴ کوئنس پوئٹ (Queen's Poet) ملکۂ معظمہ کا شاعر۔ ملک الشعرا۔

۳ ۱-۳ یہ تین شعر کا قطعہ بھی غالب نے اسی مجموعے کے لیے کہا ہے اور ان کے کسی اور مجموعۂ کلام میں نہیں چھپا تھا۔

۴ پہلا دیباچہ۔ یہ نثری تحریر اردوے معلی میں شامل ہے، جہاں اس کا عنوان ہے: تقریظے کہ بر کتاب گلزارِ سرور من تصنیف میرزا رجب علی بیگ صاحب سرور نگاشتہ اند۔

۹ رجب علی بیگ سرور = ولادت تقریباً ۱۲۰۰ھ (۱۷۸۵-۱۷۸۶ء) شاگرد آغا نوازش حسین خاں عرف مرزا خانی۔ نوازش۔ لیکن شاعر کی حیثیت سے ان کا کوئی

مقام نہیں، ان کی اہمیت ان کی نثری تصانیف کے باعث ہے۔ ان کی کتاب "فسانۂ عجائب" اردو کے کلاسیکی ادب میں خاص پایہ اور شہرت کی مالک ہے اس کے علاوہ ان کی تصانیف میں سرور سلطانی (ترجمۂ شمشیر خانی شگوفۂ محبت، شبستانِ سرور (الف لیلہ)، فسانۂ عبرت، گلزار سرور (ترجمۂ حدائق العشاق)، شررِ عشق، انشائے سرور (مکاتیب) ہیں۔ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں انتقال ہوا۔

۱۰ حدائق العشاق۔ یہ کتاب ملّا رضی خلف محمد شفیع کی فارسی تصنیف ہے جس میں تمثیلی انداز میں انسانی جذبات کا ذکر ہے جنھیں افسانے کے کردار کی شکل دے دی گئی ہے۔ گلزار سرور اسی کا ترجمہ ہے۔

۳ ۱۴ م = کیسا (کیا صحیح ہے) میں کتابت کی غلطی ہے۔

۳ ۱۵ یہ دونوں شعر اس قطعے کے ہیں، جو اردو دیوان غالب میں بعنوانِ "گزارش مصنّف
۴ ۱ بحضورِ شاہ" شامل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دیوان میں دونوں شعروں کے مصرع ثانی میں "ایک" کی جگہ "میری" ملتا ہے یعنی ہے زباں میری تیغ جوہر دار اور ہے قلم میری ابر گوہر بار یہاں میرزا نے حسب ضرورت ترمیم کرلی ہے۔

۱ م: بزم کے التزام (سہو کتابت) کا صحیح ہے۔

م: مجھ کو (انشائ غالب میں سب جگہ "مجکو" تخفیف ہائے ہوز) ملتا ہے۔ اور دوسری جگہ بالعموم "مجھ کو"

۲ فسانۂ عجائب۔ اردو کے افسانوی ادب کی مشہور کتاب ہے؛ ۱۲۴۰ھ میں مکمل ہوئی تھی۔ یہ پہلی مرتبہ ۱۲۵۹ھ میں مطبع حسنی، لکھنؤ میں چھپی۔

۲ م: مٹائیں، یہ وہ تحریر ہے۔

۶ م: کھینچ کر (یہی درست ہے)

۸۔۷ مہاراجہ ایسری پرساد نارائن سنگھ: بنارس کے قریب ایک گاؤں اتریا کے رہنے والے قدیم برہمن خاندان کے نام لیوا تھے۔ اس خاندان میں سب سے پہلے جن صاحب کو شہرت حاصل، ان کا نام منسارام تھا۔ وہ نواب وزیر اودھ کے عامل بنارس کے صاحب رسوخ مصاحبوں میں تھے۔ اسی لیے انھیں سالانہ چوبیس لاکھ سالانہ آمدنی کی جاگیر عطا ہوئی۔ ۱۷۴۰ء میں ان کی وفات پر ان کا بیٹا بلونت سنگھ وارث ہوا۔ اس نے براہ راست شاہ دلی (محمد شاہ) سے تعلقات قائم کر لیے جس پر محمد شاہ نے خوش ہو کر اسے راجا بہادر کا خطاب اور جونپور، بنارس اور چنار کے علاقے جاگیر میں عطا کیے۔ جب ۱۷۶۴ء میں بکسر کی لڑائی ہوئی ہے، تو شاہ عالم اور شجاع الدولہ کے اصرار پر بلونت سنگھ ان کے ساتھ تو رہا، لیکن اس نے انھیں فوجی امداد نہیں دی۔ انگریزوں نے فتحیابی کے بعد اس کے بدلے پر اپنی خوشنودی کے اظہار میں اس کا علاقہ مستقل کر دیا۔

بلونت سنگھ کا ۱۷۷۰ء میں انتقال ہو گیا۔ مشہور راجا چیت سنگھ جسے انگریزوں نے معزول کر دیا تھا اور جس کا نام وارن ہیسٹنگز گورنر جنرل کے مقدمہ میں بھی آیا ہے، بلونت سنگھ ہی کا وارث تھا۔ چیت سنگھ کی معزولی کے بعد بنارس کی گدی بلونت سنگھ کے نواسے مہیپ نرائن سنگھ کو ملی اور اس کے بعد اودت نرائن سنگھ حکمراں ہوئے۔ ایسری پرشاد نارائن سنگھ انھیں اودت نرائن سنگھ کے بھانجے اور وارث تھے ۱۸۳۵ء میں گدی پر بیٹھے۔ ان کا دور حکومت اپنی کارگزاریوں کے بہت شاندار رہا۔ وہ انگریزی سے نابلد تھے۔ مغربی تہذیب و تمدن سے تعلق بھی ان کی واقفیت نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس کے باوجود انھوں نے اپنی ریاست کا انتظام اس عمدگی سے کیا کہ ان کے تمام ہمعصر مورخ۔ انگریز اور ہندستانی

ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ وہ اپنی رعایا میں بھی بہت ہر دلعزیز تھے اور دوسری دیسی ریاستوں کے حکمراں بھی انھیں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں انگریزوں کی مدد کرنے کے باعث یا اس کے بعد لارڈ کیننگ وائسرائے نے انھیں "مہارا جا بہادر" خطاب اور جی سی ایس آئی کا اعزاز عطا فرمایا۔ وہ علم وادب اور فنون لطیفہ کے بہت بڑے سرپرست تھے ۵۴ برس کے طویل اور قابل تعریف دور حکومت کے بعد ۱۳ جون ۱۸۸۹ء کو انتقال کیا۔

۹ م: طرّہ یہ ہے ("ہے" زاید ہے اور غیر ضروری)

۵ ۸ دیباچہ دوسرا یہ بھی اردوے معلی میں شامل ہے اور اس کا عنوان ہے "دیباچہ کہ بر کتاب خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان موسوم بہ حدائق انظار نگاشتہ اند

۱۲ م: تو ہم اس صورت میں کیونکر کہیں

۱۳ م: لعبت ولفریب کی نظارگی سے (سہو کتابت) صحیح: لعبتِ دلفریب کے نظارگی

۶ ۲ م: پہلے واقع ہوا (سہو کتابت)

۳ م: کسی نے نہ دیکھا نہ سنا (سہو کتابت)

م: خرد مند (سہو کتابت)

۸ م: نال سے پہلے "تو" غائب (سہو کتابت)

۷ ۱ م: تو "گویا" کی جگہ حرف "گو" (سہو کتابت)

م: چربہ (صحیح چربا)

۲ م: موعظت پند (بدون عاطفہ۔ غلط)

۳ م: افسانہ

۴ م: سچ یہ ہے (تو کے بغیر غلط)

م: عمرو

۵ م: ممتن الدولہ (سہو کتابت)

م: گویا باغِ ارم کو ہندوستان اٹھالایا، اس نے بوستانِ خیال میں کچھ اور ہی تماشا دکھلایا (یہاں عبارت سہواً مقدم موخر ہوگئی ہے) م میں 'ہی' بھی زائد ہے۔

۸ م: طلسم اور حسن

۱۰ م: عمرو

۱۲ خواجہ بدرالدین خاں عرف خواجہ امان دہلوی۔ ان کا نام بوستان خیال کے مترجم کی حیثیت سے مشہور ہے۔ ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) میں وفات پائی۔ قدر بلگرامی کی کہی ہوئی تاریخ ہے: آہ بدر آیا خسوف گور میں

۱۳ م: نیر ہوش ہے

۱۴ م: ستار کا جو خیال آیا ایسا بجایا کہ ...

۱۵ م: جو طبیعت آئی وہ تصویر کھینچی

۸ ۴ م: حیرت افزائیاں

۱۲ م: ٹھکانا۔ بھتیجا اور پیارا بھتیجا۔ ناچار۔

۱۴-۱۳ م: کچھ نہ بن آئی اس دیباچہ کے انجام کا بجز اس کے اور کوئی ننگ نظر نہ آیا کہ عالم ارواح ...

۱۵ م: شعر و شاعری شعار (سہو کتابت)

اصل نسخے میں 'کو' کا لفظ غالب کے قلم سے ہے

م : لکھے دیتا ہوں

۹ ۱ م : تنگ آگیا ہوں (سہوِ کتابت)

م : میں دیباچے کے خاتمے پر تاریخ : ومن اللہ التوفیق وھو خیر رفیق

۲ اردو (۲) : میں یہ خط ص ۷۱-۷۲ پر موجود ہے۔ وہاں اس سے پہلے غالب کا ایک اور خط بھی ہے، جو انشائے غالب میں شامل نہیں، یہ مقدمہ میں نقل کیا گیا ہے۔

خطوط (۱) میں یہ خط ص ۲۷۴-۲۷۵ پر ہے اور

خطوط (۲) میں ص ۳۲۶-۳۲۷ پر۔

۴ خطوط (۱)، (۲) میں "تم کیا چاہتے ہو؟" کے بعد یہ عبارت زاید ہے : مجتہد العصر کے مسودے کو اصلاح دے کر بھیج دیا۔ اب اور [کیا لکھوں...

۵ خطوط (۱)، (۲)، جو دعا لکھوں [تمھارا دماغ چل گیا ہے! لفافے کو کریدا کرو، مسودے کو کاغذ کو بار بار دیکھا کرو؛ پاؤ گے کیا؟ یعنی] تم کو وہ محمد شاہی...

۵ خطوط (۱)، (۲) "کہ" موجود نہیں

۶ اردو (۲) : "برخوردار" موجود نہیں ؛ پر سچ کہنا

خطوط (۱)، (۲) : عافیت مطلوب ہے۔ [خط تمھارا بہت دن کے بعد پہنچا، جی خوش ہوا۔ مسودہ بعد اصلاح کے بھیجا جاتا ہے۔ برخوردار میر سرفراز حسین کو دینا اور دعا کہنا ؛ اور ہاں، حکیم میر اشرف علی اور میر افضل علی کو بھی دعا کہنا۔ لازمۂ سعادتمندی یہ ہے کہ ہمیشہ اسی طرح خط بھیجتے رہو۔ کیوں؟] سچ کہو...

۷ تحریر (کی) یہی طرز تھی۔ اصلی مسودے میں لفظ "کی" بخطِ غالب ہے ؛ اور سطر سے اوپر لکھا ہے۔ ظاہرا کاتب اسے لکھنا بھول گیا تھا۔

خطوط (۱)، (۲) : یا اور ؟ ہائے، کیا اچھا شیوہ ہے! جب تک یوں نہ لکھو

وہ خط ہی نہیں ہے۔

۱۰ خطوط (۱)، (۲) : زوائد کو اور نقت پر موقوف رکھا ؛ اور اگر تمھاری خوشنودی اسی طرح کی نگارش پر منحصر ہے، تو بھائی ساڑھے تین سطریں ویسی بھی میں نے لکھ دیں۔ کیا نماز قضا نہیں پڑھتے، اور وہ مقبول نہیں ہوتی؟ خیر، ہم نے بھی وہ عبارت، جو مسودے کے ساتھ لکھی تھی، اب لکھ بھیجی۔ قصور معاف کرو، خفا نہ ہو] میر نصیر الدین ...

۱۳ اردو (۲) : روپے

۱۰ ۴ سپتمبر یہ اصلاح غالباً مولوی ضیاء الدین خان کی ہے، غالب نے ستمبر لکھا ہوگا۔

۵ یہ خط اردو (۲) ص ۴۳-۷۵؛ خطوط (۱) ص ۲۵۲-۲۵۴ اور خطوط (۲) ص ۳۰۵-۳۰۶ پر موجود ہے۔

۶ اردوے معلی میں یہ خط اس طرح شروع ہوتا ہے: بھائی، کیا پوچھتے ہو؟ کیا لکھوں؟ قاطع برہان کے مسودے ..... اس خط کے شروع کی سطریں: "تم تو ... پھر کیا قصہ ہے"، صرف اسی جگہ ملتی ہیں اور یہیں سے لے کر خطوط میں شامل کی گئی ہیں۔

۱۰ ۱۱-۱۲ "ایک میرے ... کے واسطے" یہ جملہ اردو (۲) میں حذف کر دیا گیا ہے۔

۱۲ "بھائی" اصلی مسودے میں غالب کے قلم سے ہے؛ اور لفظ ایک کے اوپر اضافہ کیا گیا ہے۔

۱۳ "تم کو" "خطوط" میں (غالباً سہواً) چھپنے سے رہ گیا ہے۔

۱۴ اردو (۲) میں "مگر" حذف ہو گیا ہے

۸ خطوط : اس کو حاصل بالمصدر (شین ساقط)

۱ ۴ "فرمائی" کے آخر میں "ی" اصلی مسودے میں غالب نے اپنے ہاتھ سے اضافہ کی ہے۔

کاتب نے صرف "فرما" لکھا تھا۔

۴ خطوط میں یہ خط زیادہ زیادہ پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس کے بعد مزید یہ سطریں بھی ملتی ہیں: پہلے حکیم میر اشرف علی کو دعا اور بیٹا پیدا ہونے کی مبارکباد۔ میاں، میں نے رات کو اپنے عالمِ سرخوشی میں تاریخی نام کا خیال کیا۔ "میر کاظم دین" کے بارہ سو چھپتر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اسم بھی مانند لفظ فہمایش ٹکسال سے باہر ہے۔
چونکہ یہ عبارت انشای غالب میں نہیں تھی، اس لیے مولوی ضیاءالدین خان کی ترتیب انشاءِ اردو (۲) سے بھی غائب ہے، جو اسی پر مبنی ہے۔ البتہ انھوں نے 'زیادہ' زیادہ کے بعد لفظ 'فقط'، اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے۔

۵ اردو (۲) میں یہ رقعہ نہیں چھپا ہے۔ خطوط میں متن جوں کا توں ہے۔ 'م' سے اختلاف کے لیے دیکھیے حواشیِ خطوط

۱۳ ۲ یہ خط اردو (۲): ۷۵-۷۶؛ خطوط (۱) ۲۷۷؛ خطوط (۲): ۳۲۸-۳۲۹ پر ملتا ہے۔

۳ سید صاحب کے بعد "اچھا ڈھکوسلا نکالا ہے ... گرفتار نہیں"۔ پوری عبارت اردو (۲) میں حذف کر دی گئی ہے۔
م۱: ڈھکوسلا؛ خطوط: ڈھکوسلا۔

۶ خطوط: سادات کا معتقد ہوں۔ (یعنی "ہوں" زاید ملتا ہے)

۸ اردو (۲) میں "سید صاحب" کے بعد خط یہاں سے شروع ہوتا ہے۔
مسودے میں "نعل در آتش" پر ستارے کا نشان دے کر نیچے حاشیے میں اس کے معنی "بیقرار" دیے ہیں۔ یہی شکل اردو (۲) میں بھی ہے۔ بگمانِ غالب مسودے میں یہ اضافہ مولوی ضیاءالدین خاں کا قلمی ہے۔

۹ خطوط: بعد محرم کے

۱۲ خطوط: تو پہلے تو مجملاً سنو

۱۵ خطوط: آج اکیسواں دن ہے

۱۴ ۲ اردو (۲)؛ خطوط: جگنو

۵ مسودے میں لفظ "غلّہ" غالب کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ خطوط، میں اس کی جگہ "اناج" ہے

۹ لفظ "رستاخیز" پر ستارے کا نشان بنا کر حاشیہ لکھا ہے: اس لفظ سے ابجد کے حساب سے ۱۲۷۸ کا عدد نکلتا ہے۔ یہ غالباً مولوی ضیاء الدین خاں کا لکھا ہوا ہے۔ اردو (۲): تاریخی حساب (بجائے ابجد کے حساب)۔ بگمانِ غالب خط کے آخر میں (رستاخیز کے بعد) ۱۲۷۸ بھی مولوی ضیاء الدین خاں ہی نے اضافہ کیا ہے۔

۱۰ یہ رقعہ اردو (۲): ۷۶-۷۷؛ خطوط (۱): ۲۵۸-۲۵۹؛ خطوط (۲): ۳۱۰-۳۱۱ پر ملتا ہے۔

۱۰ اردو (۲): ۱۵ ستمبر (دسمبر صحیح ہوگا)

۱۵ ۲ اردو (۲): ڈُھاتا

۳ خطوط: چار معدوم محض ہیں، جو باقی رہے (صحیح متن وہی ہے جو آشنائے غالب میں ہے یعنی "چار معدوم محض، تین جو باقی رہے"۔ یہی اردو (۲) میں ہے

۵ اردو (۲): دونو کو

۸ اردو (۲) مطرود و محروم
سطر کا آخری لفظ "نظم"، مسودے میں غالب کے قلم سے ہے۔ یہ اردو (۲) اور خطوط میں نہیں ملتا۔

۱۱ اردو (۲) وخطوط: پڑھنا

۱۴-۱۲ مجتہد العصر… مرقومہ تک (قلمزدہ عبارت) اردو (۲) میں نہیں چھپی ہے۔ بلکہ چلے جاؤ (س ۱۲) کے بعد لفظ "فقط" کا اضافہ کرکے خط یہیں ختم کر دیا گیا ہے حاشیے کے الفاظ: 'تاریخ لکھی جائے' غالب کے قلم سے نہیں۔ بظاہر یہ ہدایت مولوی ضیاءالدین خان کی طرف سے اردو (۲) میں قلمزدہ مضمون نہیں ملتا، اور آخری تاریخ کے الفاظ موجود ہیں۔

۱۶ ۱ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۷۷-۷۸؛ خطوط (۱): ۲۸۲-۲۸۳؛ خطوط (۲): ۳۳۳-۳۳۴

۲ لفظ 'نظم' اردو (۲) میں نہیں ملتا۔

۵ تفضل حسین کے اوپر لفظ "خان" غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اردو (۲): ٹھیرے

۶ اردو (۲)، خطوط — دونوں جگہ "جمعے"

۸-۹ قلمزدہ عبارت، اردو (۲) میں شائع نہیں ہوئی ہے

۹ 'خطوط' میں اس خط کا بقیہ خاصا طویل حصہ دیکھا جا سکتا ہے۔ جس میں نہ صرف الور کے بلکہ پٹیالے کے حالات بھی درج کیے ہیں۔

۱۰ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۷۸-۷۹؛ خطوط (۱): ۲۶۴؛ خطوط (۲) ۳۱۵-۳۱۶

۱۴ اردو (۲): اب کی بار

۱۷ ۴ مجتہد العصر کا قلمزدہ لفظ اردو (۲) میں نہیں چھپا ہے۔

۵ اردو (۲): دونو

۸ اردو (۲): ۷۹-۸۰؛ خطوط (۱): ۲۸۰-۲۸۱؛ خطوط (۲): ۳۳۱-۳۳۲ میں

یہ رقعہ چھپا ہے "خطوط" میں لفظ "برسات" سے پہلے بہت طویل خط ملتا ہے، جو یہاں حذف کردیا گیا ہے۔

۹ خدا کا قہر (قلمزدہ الفاظ) اردو (۲) میں نہیں ملتے۔

۱۰ اردو (۲) : کترتے

۱۸ ۳ 'حال کی فکر' میں لفظ 'فکر'، غالب کے قلم سے اضافہ ہوا ہے
اردو (۲) : آوارگی کا ملول ؛ خطوط : آوارگی ' ملال (ملال غالباً بہتر ہے طول سے؛ طول کتابت کی غلطی ہوسکتی ہے)

۵ اردو (۲) : مہاراجا

۸، ۱۰ لفظ 'نظم' نہ اردو (۲) میں ہے، نہ خطوط میں۔ اردو (۲) میں اس کی جگہ نشان ؁ ہے؛ اور خطوط میں کولن (:)

۱۰ قلمزدہ 'مجتہد العصر' اردو (۲) میں نہیں ہے

۱۱، ۱۳ "ہا ہا ہا ... دعا کہنا" اردو (۲) میں نہیں؛ اس میں رقعہ لفظ دعا پر ختم ہو جاتا ہے۔

۱۴ اردو (۲) میں تاریخ ہے : صبح جمعہ ۲۶ ستمبر (سال کے بغیر)

۱۹ ۱ یہ خط اردو (۲) میں نہیں لیا گیا۔ خطوط (۱) : ۲۵۹-۲۶۰ اور خطوط (۲) : ۲۱۱-۲۱۲ میں موجود ہے۔

۱۵ ۴ "آگ تا پتا جاتا ہوں"۔ یہاں لفظ 'جاتا'، مسودے میں غالب کا لکھا ہوا ہے۔

۶ 'تو اجد بہم پہنچا' کے بعد 'خطوط' میں یہ الفاظ زاید ہیں : ساقی کوثر کا بندہ اور تشنہ لب! ہائے غضب! ہائے غضب۔

۸ 'بہادر' کا لفظ مسودے میں غالب کے قلم سے ہے

۱۰ 'دربار کی فرد' میں لفظ 'دربار کی' مسودے میں غالب کے لکھے ہوئے ہیں

۱۱ ’نظم‘ لفظ مسودے میں غالب کے قلم سے ہے، یہ لفظ خطوط میں نہیں چھپا ہے۔

۲۰ ۵ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۸۰-۸۱؛ خطوط (۱): ۲۸۴-۲۸۵؛ خطوط (۲)
۳۳۴-۳۳۵ اس خط سے متعلق قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ کسی اور مجموعے میں موجود نہیں اور صرف
اس ’انشائے غالب‘ ہی میں ملا ہے؛ اور یہیں سے لے کر ’خطوط‘ میں شامل کیا گیا ہے۔

۶ قلم زدہ لفظ "برخوردار" اردو (۲) میں موجود نہیں ہے

۱۱ اردو (۲): کوٹھا

۱۱، ۱۲ اردو (۲): راجا

۱۲ اردو (۲): آگرے

۱۳ اردو (۲): ڈھونڈ

۲۱ ۴-۵ لفظ ’نظم‘ اور اس کے بعد کا شعر اردو (۲) میں نہیں ملتے

۷ مرتب اردو (۲) نے غالب سے پہلے لفظ "فقط" اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے۔

۸ اس رقعے کے لیے دیکھیے: اردو (۲): ۸۱-۸۲؛ خطوط (۱): ۲۶۷-۲۶۸؛
خطوط (۲): ۳۱۸-۳۱۹

۹، ۱۱ لفظ ’نظم‘ کی جگہ اردو (۲) میں نشان ـــہ اور خطوط میں کولن (:) ملتا ہے۔
مسودے میں (س ۹) یہ غالب کا اپنے ہاتھ سے اضافہ ہے۔

۱۰، ۱۱ خطوط: اے میر مہدی تجھے شرم نہیں آتی

۱۲، ۱۳ خطوط: تو کس ... کرتا ہے

۱۴ "خطوط" میں "موجود ہیں" کے بعد بھی طویل عبارت ملتی ہے، جو یہاں حذف کر دی
گئی ہے۔ اس میں دلّی کی تباہی اور وہاں کے باشندوں کی مشکلات اور مصیبتوں
کا تذکرہ ہے، جو بظاہر اس کے حذف کیے جانے کا باعث ثابت ہوا۔ جو کتاب

افسرانِ فوج کے نصابیے کے لیے مرتب کی جارہی تھی، اس میں ان باتوں کی شمولیت بےمحل بھی تھی۔

۲۲ ۲ خطوط : اے بندۂ خدا

۳ خطوط : دتی، دامد، اب تھہر نہیں ہے۔ مسودے میں لفظ کپ، ہے (بوزن غصّہ)
اردو (۲) : کمپ اردو (۲) میں لفظ "فقط" کا اضافہ آخر میں کیا گیا ہے۔
"خطوط" میں اس کے بعد بھی تین چار سطریں ہیں اور جب خط مکمل ہوتا ہے

۴ یہ لفظ مسودے کے کاتب کی بدحواسی کا مظہر ہے؛ لفظ "رقعہ" کی جگہ "قلعہ" لکھ گیا
یہ رقعہ اردو (۲) : ۸۲-۸۳؛ خطوط (۱) : ۲۷۲؛ خطوط (۲) : ۳۲۳-۳۲۴
میں ملتا ہے۔

۱۰ اردو (۲) : عقیدے

۱۱ اردو (۲) : روپے

۱۵ اردو (۲) میں "دل کڑھتا ہے" کے بعد الفاظ "فقط، غالب" کا اضافہ کرکے خط ختم کیا گیا ہے۔ لیکن خطوط میں اس کے بعد بھی بہت سی عبارت موجود ہے، جو وہاں دیکھی جا سکتی ہے۔

— اس خط کے بعد کی اس مسودے کی کوئی تحریر اردو (۲) میں شامل نہیں ہے۔

۲ ۱ یہ لفظ "نقل غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔
یہ نقل غالب کی کسی اور کتاب یا کسی اور ماخذ میں نہیں ملتی

۸ لفظ "لطیفہ" بھی غالب کا لکھا ہوا ہے۔
یہی بات غالب نے "دستنبو" میں بھی لکھی ہے (دیکھیے، کلیات نثر غالب : ۳۸۸)

۲۴ ۴ غالب نے یہ واقعہ 'دستنبو' میں بھی بیان کیا ہے، اگرچہ وہاں بہت اختصار سے کام لیا ہے (کلیات نثر غالب : ۳۹۶) یہی واقعہ مولانا حالی نے بھی قلمبند کیا ہے (یادگار : ۵۰-۵۱) لیکن دونوں میں کچھ تفاوت ہے۔ میرزا نے یہاں لکھا ہے کہ یہ بات میں سارجنٹ (سرجن) نے ان سے پوچھا تھا: ول، تم مسلمان! حالی نے اسے خود کرنیل برن سے منسوب کیا ہے۔ جیسا کہ خود حالی نے لکھا ہے، انھوں نے یہ بات کسی سے سن کر لکھی تھی۔ غالب کا اپنا بیان قابلِ ترجیح ہے۔

۱۳ صحیح نام برن (Burn) ہے (دیکھیے ذکر: ۱۲۲)

۲۵ ۴ مسودے میں "فریب کرکے" میں الفاظ 'کرکے' غالب کے ہاتھ سے لکھے گئے ہیں۔ اس سے آگے کاتب نے لکھا تھا: "بات بنا کر" غالب نے اپنے ہاتھ سے 'کر' کو 'کے' بنا دیا ہے۔

۲۶ ۷ مسودے میں مصرع اولیٰ میں لفظ 'عشق' غالب کا لکھا ہوا ہے

۱۲ دیوان : ادن کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق

۲۷ ۶ مسودے میں مصرع ثانی میں لفظ 'پیالہ' قلمزد کرکے اس کی جگہ 'گلاس' خود غالب کا لکھا ہوا ہے۔ دیوان میں، اس کے باوجود 'پیالہ' ہی ملتا ہے۔

دیوان : ہاتھ (آج تک غالب کی اپنی جتنی تحریریں دستیاب ہوئی ہیں، ان میں سب جگہ یہ لفظ "ہات" بدونِ ہاے ہوز لکھا ہے)

۲۸ ۱ دیوان : زمانہ

۱۱ دیوان : اک

۲۹ ۹ مسودے میں یہ لفظ 'خاتمہ' خود غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

عکس

خطّی نسخہ

مرتبہ

میرزا غالبؔ

آب رسیدہ ہونے کی وجہ سے مخطوطے کے بعض اوراق پر روشنائی پھیل گئی ہے۔ان کے عکس مطابق اصل ہیں۔اسے طباعت کی خرابی نہ سمجھا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب جو دو باب کی ہے حقیقت یہ اس کتاب کی ہی کہ پہلی
باب مین دو دیباچی [illegible] اور کئی مکتوب ہین اگر میری لکھی ہوئی ہوتی تو
مین کہتا کہ بہت خوب ہین دوسرا باب اشعار کا ہی کہ وہ بھی کلام
اسی خاکسار کا ہی اگر کوئی خطا اردو زبان مین لکھا جاے اور ان اشعار
مین بہی شعر محل و مقام کی مناسب درج کیا جاے اور یہ مجموعہ نذر اس
جناب رفعت مآب کی ہی جس سے عزت و توقیر قدر نشناس کی شنوی پہچانے
مناقب عالیشان علوم و اہل علم کی قدردان
یگانہ روزگار جسکا مطیع و محکوم ہو ہماجی

اہل ہند کو سرمایۂ عز و افتخار و الاپایہ عالی رتبہ معلی القاب حضرت
فلک رفعت ملکۂ معظمہ صاحب عمادۂ عظمیٰ نشان کشور ہند و انگلستان
پس یہہ کتاب اگر اونکی حکم سے چھاپی جاوے تو صاحبان تازہ وارد
ولایت کی پڑہنی کے کام آوے اس کتاب کا نذر گزرنے والا جو اپنے
نذر کی مقبول ہونیکا طالب ہے نصر اللہ بیگ خان بہادر رئیس
سونا کا بھتیجا موسوم بہ اسد اللہ خان متخلص بہ غالب ہے
میری چچا کی سرداری اور ریاست کا حال اور گورنمنت بہادر
اعلی سے خاص میری ملازمت اور نذر اور خلعت کی کیفیت
گورنمنت اعلی کے دفتر مین مرقوم ہے اور میری قصیدہ کا جناب
مستطاب اللرڈ ایلنبرا بہادر کی ذریعہ سے وزیر اعظم کی پاس
پہنچنا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بحر و بر ملکۂ معظمہ محتشمہ کے
١٥٥
حضور پرنور مین گزرنا از روی مشاہدہ خطوط آمدہ ولایت بسبیل ڈاک
مجکو ولایت سے آئی ہین گورنمنت بہادر ہندوستان کو معلوم ہے
البتہ مین اسکا مستحق ہون کہ کوشش تو بیشتہ گنج جاؤن اور اعطا سے
علاوہ تسلی ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤن اگر یہ تہیہ لیا گیا

بخشیم حوت ہیں تو فرق نہ ای ای جہان آفرین خدای کریم
صنیع ہمت جو تصنیف نظم نامہ تکلو جنکا ہی مشہور ہیہ مت بعید
ثنا و اکبر در شیر و دولت سی کمانات ہیں نہ اور غالب صحب زبان دیز

دیباچہ

شکر جناب اللہ خدا کی کیا نظم نعمہ وز صحیفین ہیں تعالی اللہ کیا
حضرت تو وہ ہیں جو حدائق العشاق کا فارسی زبان سی
ہی نسخہ وہ تصنیف کتاب شبستان ہی ارم کا تزئین و دنیا سی اور شکر
بجا بستان تو اسکی ایک باغ ہیں جہاں ہی تو یاں حضرت رضوان
ارم کی تکملہ اہتمام جہاں ہی ارشد بیک صاحب
حدائق العشاق کی صحیفہ نگاری ہوئی اسی جامعہ نتیجہ زجو موسوم
بہ محمد اسد اللہ خان اور مخاطب بہ نجم الدولہ متخلص بہ غالب ہے خدا
جہان آفرین سی توفیق کا ہو تحقیق العشاق کا انتخاب ہے ان ای
صاحب نظم وہ ایک سیر تحقیق کا ہی کی تشریح کیا گیا ہے
اور آخر جنگ کا کلام نہ مانی کی مستی کیا اگر ان بجا ہی ہے
نظم و رزم کی داستان کر شیشے ہی زبان انکی تیغ جو ہر دار ہے

ہمیم کا التزام گر کیجئی ہی قلم ایک ابرگہر بار ہمکو دعوی تبا کی انداز
بیان و شوخی تقریر مین فسانۂ عجم سے بی نظیر ہی جس نے میری دیکھو
اور فسانۂ عجائب کی یکتائی کو مٹایا بد و یہ تحریر ہی. کیا ہوا اگر یہ
نقش دوسرے کا ثانی ہی یہہ تو ہم کہہ سکتی ہین کہ نقاش لا ثانی ہی مانی
نقاش ہمیشہ صورتین بنا کر پیمبری کا دعوی کری کیا عقل کے کمی ہی یہ بندۂ
خدا معنی کے تصویر کھینچکر دعوی خدائی کرے کس حوصلہ کا آدمی ہی
سچ تو یون ہی کہ جناب مہاراجہ صاحب والامناقب عالیشان
ایسری پرشاد نارائن سنگہ بجا در جس باغکی آرایش کے کارفرما ہون
اور پھر اوس پر طرہ یہ کہ مرزا سرور جیسن آرا ہون وہ باغ کیا ہکا
بہشت ہو کا تو اور کیا ہو گا کوئی نہ کہی کہ یہ درویش گوشہ نشین جھول
وسبکسر کیون لتہی دیکھی بہائی حضور کا ثنا گستر کیون ہی صاحب جو
حاتم سی ہمنی کیا دولت پائی ہی کہ اوسکی سخاوت کی ثنا کرتی ہن
رستم سی کہان شکست کہائی ہی کہ اوسکی شجاعت کا ذکر کیا کرتے
ہرروز حبذا جناب مہاراجہ صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان
دام اقبالہ پر سبدہ نراین کا مورد عنایت رہا ہون جن دنون وہ دلی مین

تیشہ معنیوں میں اکثر اوقات شریک صحبت رہا ہوں جب نا شناسا
اہل سخن کی جہ میان بہ نہو تو اونکا نماز منہ کیون انکا ثنا خوان ہو
حضور پرنور نے یہ کیا منظور تھا موافق کا نہیں تو عاشق ہوں اونکی شاعری
دیکھتا ہوں کہ حضور نے یہ قدر دانی کیسے سرور زمانی کی گرفت انکی حضور کا اطباع
سرور کا کلام حضور کے عالی ہمت سرور کی خوش قسمتی نصف اللہ تعالی
نقش صفحۂ روزگار پہ یادگار رہیگا مصنف کا شہرہ رنگین بیانی
مہاراج الی بہادر کا نام فیض رسانی ہمیشہ روشن رہیگا......

۱۶۰ دیباچہ دوسرا

سبحان اللہ شاہد بے ہمتای سخن کا حسن و جمال اس شان اور اسکا نور افزائی
جمال مقصود او سبکا انجمن خسرو خیال آئینہ دار لفظ اہل معنی کے نظر میں آئینہ جمال
جمال میں حسن المعنی بصورت صنعت جلب کرہ کا مقلوب یعنی کمال
اگر نقش بتی کو حقیقت بصورت انسان پیدا کیا ہوتا تو اسکی صورت
[illegible]
[illegible]
نظم میں اونہی روپ نثر میں اور یہی ڈھنگ فارسی میں اور یہی

زمزمہ اردو مین اوسی آہنگ سے دلو تواریخ مین ہو وہ دیکہو جو تم سے
سینکڑون برس پہلی واقع ہوا ہو افسانہ وداستان مین وہ کچہ سنو
کہ کبہی کسی نی سنا ہو نہ دیکہا ہو ہر چند خردمندان بیدار مغز تواریخ
کیطرف بالطبع مایل ہونگی لیکن قصہ کہانیے کی ذوق بخشی و نشاط انگیزی کے
بہی دل مین قایل ہونگی کیا تواریخ مین ممتنع الوقوع حکایت نہین انصاف سے
لیتے ہو یہ کچہ بات نہین سام اپنی فرزند کو پہاڑ پہ پہکوای سیمرغ
اوسکو اپنی گہونسلی مین اوٹہالائی پرورش کرکی پہلوان بنائی آداب
حرب وضرب سکہائی پہر جب رستم اسفندیار کی لڑائی سی گہرائی تو
زال اوس اسم کی سیمرغ کو بلاوی سیمرغ گردان کبوتر کیطرح سیٹہی کی آواز
سنتی ہی چلا آئی اور اپنی بیٹ کی لیپ سے یا اور کسی دوا سی رستم کی
زخم اچہی کردیے ایک تیر دوشاخہ دیکر تشریف لیجای رستم دس برس کی عمر مین
مست ہاتہی کو ہلاک کری جب چشم بد دور جوان ہو تو دیو سپید کو تہہ تیغ کری
کہیں فرعون کا دعوی خدائی مشہور ہی شداد و نمرود کا بہی تواریخ مین ایسا
مذکور ہی اگر اہل طبیعت ایک پہلوان زبردست حمزہ دیو کش رستم جیسا
قرار دین اور ایک بادشاہ گمراہ دعوی خدائی کرنی والا مثل نمرود کہہ لین

تو گویا ایک ڈھکوسلا بنایا ہی مگر اچھا بنایا ہی اونہین روایات کا چربا اُتہا
کر کھینچا ہی تماشا ہی موعظت و پند نہیں ترہات مذکیات ہی سیر و اخبار نہین
جو ہاتف نے ہی داستان طرازی منجملہ فنون سخن ہی سچ تو یہ ہی کہ دل
بہلانے کی لئی اچھا فن ہی عمر کے عیاریان دیکھو حمزہ کی میدان داریان دیکھو
جامع ان حکایات کا کوئی سخنور ایران ہی مگر و میر تقی شاہی جو ندیم مومن
الدولہ اسحق خان کا ہی اوسنی بوستان خیال مین کچھہ اور تماشا دکھلایا گویا
باغ ارم کو ہندوستان مین لا بٹھایا ادھر قصص مین سی ایک جلد کی مغز نامہ
واثری بزم و رزم و سحر و طلسم حسن و عشق سی گرین نگاہ معز الدین کی تسلیم
کشا نیان اگر سنی تو امیر حمزہ کی یہ صورت ہو کہ اپنی صاحبقرانی کو بھول جائے
بیٹھین اور کہین تہانہ پائین ابو الحسن کی عیاری کی جوہر اگر دیکھین تو خواجہ عمر
کو حیرت ہو کر زیر دستی انکہین کہی کی بندہ ہو جائین بنو امیر ابرار زادو
سعادت نو بان خواجہ بدر الدین خان عرف خوب امان کہ وہ ایک
جوان شیرین بیان تیز ہوش اور ہر فن کی کمال کی تحصیل مین کوشش
و سخت کوش ہی ستار کا خیال جو آیا تو ایسا بجایا کہ میان تان سین
کو انگلیون پر نچایا مصوری کی طرف جو طبیعت آئی تو وہ تصویر کہینچی کہ اوسکو

کہ جو دیکھکر مانی و بہزاد کو حیرت آئی اوس اقبال آثار کا یہ
ارادہ ہوا امیر حمزہ نامہ کی فارسی کے اردو کرنے پر آمادہ ہوا امیر الدین
فیروز بخت کی کشورکشائیان ابو الحسن جوہر کی ہنر نگت نمائیان
عجائبات حکیم قسطاس کے حیرت فزائیان ملکہ نوبہار کی رنگین ادائیان
جمشید خود پرست کی زور آزمائیان صنار منکوس منحوس کے حیلہ نمائیان
مسلمین و کفار کی لڑائیان مسلمانون کی بھلائیان کافرون کے
برائیان فارسی سی اردو مین لی آیا یون تصور کرو کہ قلمرو اردو مین
ایک قصر دلکشا ایک خانۂ روح افزا سرتاسر بنایا عبارت آرائی
کو ترک کیا ہی گویا تعزیر کو پیرایہ تحریر دیا ہی بعد اختتام نگارش
غالب فلک زدہ سی دیباچہ لکھنی کے آرزو کی مین نی ہرچند عجز آمیز
و معذرت انگیز گفتگو کی بیداد گرنی ایک بات نسنی اور ایک عذر
نمانا بھلا اس اصرار کا کیا علاج اور اس ضد کا کیا ٹھکانا ناچار
بجز خامہ فرسائی کچھ بن نہ آئی اس دیباچہ کی انجام کا کوئی رنگ نظر
نہ آیا عالم ارواح کو سعدی ہا چلا گیا اور حضرت نظامی سی ایک شعر
مانگ لیا اوسی شعر شعری شعار کو خاتمہ مین لکھہ دیتا ہون بیت

متملک کیا ہوں اب دم نقد ہوں نظم و نثر کا ہر ایک منحصر تھا مجھ پر سخن

جو شعر از عہد جوانی ہے سمجھو

بنام

دیکھا صاحب تم نے کیا جیتی ہو اب لکھا ان سے تم میری ہمدمی نہیں جو سرا کہوں

نہیں چھوٹا ہمکو جب مقامات میں جو وہ مجمع تھا سب دوستوں سے ملے جھنڈ میں کہاں

جب جیتے تھے ہائے ہائے ناحق غیبت سلطنت ہے بھروسہ ہے ہمیشہ کلو کی خطوط

تحریر ہونے پر زمینہ یاد آیا کیا کیا شیوہ ہے وہ ہیچ جیتے تک ہوں نہ

دیکھو یا وہ خط بھی نہیں ہے بیجا تھی آپ سے اہر زبان ہی نفحیں کیسو دے

تمام نہ جاتا ہے جو لطف بنی نوع ہی ہم جانتے ہیں دیکھیے زندہ ہو تم جانتے

ہو کہ ہم زندہ ہیں ا ہی کو کلکتہ لیا تھا لیکن ہو وقت کیا مرزا

ایک بار آئی تھی پھر اپنی نشہ دار ہی چھین منحصر کہاں ملکی کر تمہاری جا

کو یکوبہ ہے دو دن نواب صاحب محمد خان کی بہادری حسن علیخان مر گئے

حامد علیخان ہے کہ ایک عمدہ لائق نفیس ہزار کئے سو روپیہ کی تنخواہ پر بادہ

پر ہو گئی کلو دار و غہ بیمار ہو گئے تھا آج دوسرے غسل صحت کیا تا کہ جا

کو مہینا بھر ہے تب آتی ہی حسین علیخان کے گلی مرزہ وعدہ و د

عذر دہو گئی ہیں شہر چپ چاپ نہ کہیں بلوہ اٹھتا ہے نہ سرنگ
لگاکر کوئی مکان اوڑایا جاتا ہے نہ آہنی سڑک آتی ہے نہ کہیں دمدمہ بنتا ہے
دلی شہر خموشان ہے کاغذ تمام ہو گیا ورنہ تمہاری دلکی خوشی کیواسطے اور بھی
اور لکھتا یکشنبہ ۲۲ ستمبر

رقعه

[illegible] بھائی تم تو لڑکوں کی سی باتیں کرتے ہو جو ماجرا میں نے سنا تھا وہ لکھا تھا
موجب تشویش تھا تمہاری تحریر سے وہ تشویش رفع ہو گئی پھر تم کیوں
ہای واویلا کرتے ہو اوپر کا حاکم موافق ہے ماتحت کا حاکم جو مخالف تھا سو گیا
پھر کیا قصہ ہے قاطع برہان کی مسودے سب میں نے پھاڑ ڈالے اسواسطے کہ
ہر نظر میں اوسکی صورت بدلتی گئی وہ تحریر بالکل مغشوش ہو گئی ہاں دو جلدیں
نقلیں صاف کہ جسمیں کسیطرح کی غلطی نہیں نواب صاحب نے کرلی ہیں ایک
میرے واسطے ایک بھائی ضیاء الدین خان کیواسطے میرے مالک کے جو کتاب ہے اوسکی
جلد بندھ جای تو بطریق مستعار تمکو بھیج دونگا تم اوسکی نقل لیکر میری
کتاب مجھکو پھیر دینا اور یہہ امر غیب ہے جو تم واقع ہوگا مگر یہہ یاد رہے کہ جو
صاحب اسکو دیکھینگے وہ ہرگز نہ سمجھینگے صرف برہان قاطع کی نام پر جان دینگے

گئی باتیں جس شخص میں جمع ہونگی وہ اسکو نگاہ پہلی تو عالم ہووے گا سیری فن اخت
تو جانتا ہو تیرے فارسی کا علم خوب ہوا اور یہ سن نہ پانسی وہ اسکو نکالو ہو
اساتذہ وسلف کا کلام بہت کچھ دیکھا ہوا اور کچھ یاد بھی ہو تو یہی ضعف
ہوقت دھرم نہو پانچویں طبع سلیم و ذہن مستقیم رکھتا ہو معوج الذہن ہو کچھ
ہو تو یہ پانچ باتیں کسی میں جمع ہونگی اور نہ تو تیری محنت کی داد کا
تحسین کا لفظ میاں بڑا ولد ہو آگے تھا اور کمشنی وہ ہی ولد اللہ بہر ان تحت
کا کوا غنوا بھی میری زبان سے کبھی کچھ نہ تھی اب تفصیل سنو امر کی سمجھے
آگے حسین اتا ہی تو وہ امر معنی مصدری دیتا تھی اور حسین تسین کو حاصل المصدر
[illegible] بمصدر [illegible] اور [illegible] حاصل بالمصدر
[illegible] کا [illegible] ترجمہ [illegible]
[illegible] فارسی [illegible] معنی [illegible] لفظ [illegible]
لفظ عربی الاصل [illegible] موافق [illegible]
[illegible] اصل [illegible]
[illegible] مضارع [illegible] مضارع [illegible]
[illegible] مصدر [illegible] مضارع اور امر بنایا تو [illegible] بالمصدر

یا لمصدر رکہون نہ بنائین سنو حاصل بالمصدر فہمش امر طلبش حاصل فہمیدا
صیغہ امر فہمیدن سی نکلا تہا الف اور یی کہانسی لا یا فہمای تو ہنین جو فہمائم
درست ہو کہین فرمایش کو اسکا نظیر گمان مکر نا وہ مصدر اصلی فارسی
فرمودن ہی فرماید مضارع ہی فرما امر حاصل مصدر فرمایش زیادہ زیادہ

رقعہ

کہو میان مسیہ زادہ آزادہ دلی کیے عاشق ملداد وہی ہوئی اردو
بازار کی رہنی والی حسینے لکہنو کے بر الہنی والی شعل مین مہر وار رم نہ انکہہ
مین حیاد شرم نظام الدین ممنون کہان ذوق کہان مومن خان کہان
ایک آرزو وہ سو خاموش کہین دوسرا ایلیہ بچہ دو مدہوش تہ
سخنور رہی نہ سخندانی کس کو تو پہچانی ہای دلی وای دلی
بہاڑ مین جای دلی سنو صاحب بانی پت کی رمیسون مین ایک شخص
ہین احمد حسین خان ولد سردار خان ولد دلاور خان اور نانا اور
احمد حسین خان کی غلام حسین خان ولد مصاحب خان اس شخص کا
حال از روی تحقیق مشرح اور مفصل لکہا تو ہم کیا ہی معاشر کیا ہی طرق
کیا ہی احمد حسین کی عمر کیا ہی لیاقت ذاتی کا کیا رنگ ہے طبیعت کا

~~[illegible]~~

[illegible]

[illegible] صاحب [illegible] کو [illegible] کے [illegible] کر دیا
[illegible] صاحب کو [illegible] کرتا ہوں [illegible] نہیں کہ میر [illegible] صاحب
[illegible] نہیں [illegible] علی کا غلام اور
[illegible] نہیں [illegible] کی [illegible] صاحب [illegible]
[illegible] عاشق [illegible] نہیں [illegible] ہوں کرتا ہوں
[illegible] متوسل [illegible] کر رکھا ہی [illegible]
[illegible] پہنچا اور [illegible] کے بعد [illegible] دیکھا [illegible] سلام
[illegible] منتظر رہا [illegible] پہنچی [illegible] تو نہیں [illegible]
[illegible] نہیں [illegible]
[illegible] گیا [illegible] سنو ایک
[illegible] ہنگامہ [illegible] مکانات کا
[illegible] سات جمیع
[illegible] گاہ گاہ [illegible]

آجاتا ہی جسطرح بجلی چمک جاتی ہی رات کو کبھی کبھی تارے اگر دکھائی
دیتے ہین تو لوگ اونکو جگنون سمجھ لیتے ہین اندھیری راتون مین
چورونکی بن آئی ہی کوئی دن نہین کہ دو چار جگہہ سے چوری کا حال نہ سنا
جاے مبالغہ نہ سمجھنا ہزار ہا مکان گر گئے سینکڑون آدمی جا بجا دب کر
مر گئے گلی گلی ندی بہہ رہی ہی قصہ مختصر وہ ان کال تھا کہ مینہ نہ برسا غلہ نہ پیدا
ہوا یہ پن کال ہے پانی ایسا برسا کہ بوئے ہوئے دانے بہہ گئے جنہون نے ابھی
نہین بویا تھا وہ بونے سے رہ گئے سن لیا دلی کا حال اسکے سوا کوئی نئی بات
نہین ہے جناب میرن صاحب کو دعا زیادہ کیا لکھون شنبہ یکم صفر
و ۲۹ جولائی سال [illegible] ۱۲۷۰

بھائی کیا پوچھتے ہو کیا لکھون دلی کی ہستی منحصر کئی ہنگامون پر تھی قلعہ [illegible]
چاندنی چوک ہر روزہ بازار مسجد جامع کا ہر ہفتہ سیر جمنا کی پل کی [illegible]
ہر سال میلہ پھول والونکا یہ پانچون باتین اب نہین پھر کہو دلی
کہان ہان کوئی شہر قلمرو ہند مین اس نام کا تھا نواب گورنر جنرل بہادر
۱۱ دسمبر کو یہان داخل ہونگے دیکھئے کہان اترتے ہین اور کیونکر دربار

کرتے ہیں آ گئی کی دو بار [illegible]

[illegible]

[illegible] سنیں [illegible]

[illegible] حاضر [illegible]

اور [illegible] ایک بس [illegible]

[illegible] اسلام [illegible]

[illegible] مصطفے خان سلطان [illegible] مولوی [illegible]

[illegible]

[illegible] جب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] احوال

رقعہ

نقل جو بابی حال و ... الو سلام

مسجد جامع واگذاشت ہوگئی چتلی قبر کی طرف کی سیڑھیوں پر کبابیوں نے
دکانیں بنالیں انڈا مرغی کبوتر بکنے لگا عشرہ مبشرہ یعنی دس آدمی متہم
تھے مرزا الٰہی بخش مولوی صدر الدین تفضل حسین خاں فضل اللہ خان
تین یہہ اور ساٹھ اور ۷ نومبر ۱۴ جمادی الاول سال حال جمعہ کے دن
ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ قید فرنگ و قید جسم سے رہا ہوئے
انا للہ وانا الیہ راجعون جاڑا پڑ رہا ہے میرے پاس شراب تیج کے
ایک ... تھی اسکو نہیں پایا گھنیتی بے گناہ رہی بوتل گلاس تو ...

رقعہ

جان غالب اب کی ایسا بیمار ہو گیا تھا کہ مجھکو خود افسوس تھا پانچویں دن
غذا کھائی اب اچھا ہوں تندرست ہوں ذی الحجہ ۱۲۷۵ تک کچھ
کھٹکا نہیں ہے محرم کی پہلی تاریخ سے اللہ مالک ہے میر نصیر الدین آئے تھے
چلے گئے میں نے انکو دیکھا نہیں انکی بیماری کے دنوں میں مجھکو غفلت بہت رہی
اکثر احباب کے آنے کی خبر نہیں ہوئی جب سے اچھا ہوا ہوں استفسار حسب

ہوئیں آئی ہمارے [illegible] یار کے بعد یہ ہوا کہ آپ کی من کی
گئی اور جہاں [illegible] ہی [illegible]
[illegible] [illegible] جیسی جو جاوا اور [illegible]
اور [illegible] سے [illegible]
جو تم سمجھو [illegible] آپ نہیں کیا یہ [illegible]
[illegible] صاحب اپنی خط کی [illegible]
اور میر [illegible] صاحب [illegible]

[illegible] نسات [illegible]
[illegible] میں رہتا ہوں عالم بیگ خاں کی [illegible]
[illegible] ڈالا کہ جاتی ہوتی جو [illegible]
[illegible] کی [illegible] جھک رہا ہے [illegible]
[illegible] گیا [illegible]
[illegible] لکھا [illegible]
[illegible] قدرت ہی [illegible] مست ہی آج [illegible]

ایک امن کے صورت نظر آئی کہا کہ آؤ میر مہدی کے خط کا جواب لکھون
اور کے ناخوشی راہ کی محنت کشی تپ کی حرارت گرمی کے شرارت پانی کا
عالم کثرت اندوہ و غم حال کے مستقبل کا خیال تباہی کا رنج آوارگی کا ملال
جو کچھ کہو وہ کم ہے بالفعل تمام عالم کا ایک سا عالم ہی سنتی ہین کہ نومبر مین
مہاراجہ کو اختیار ملیگا ہان ملیگا مگر وہ اختیار ایسا ہوگا جیسا خدا نے
خلق کو دیا ہی سب کچھہ اپنی قبضہ قدرت قدرت مین رکہا آدمی کو بدنام کیا
تمہاری رفع مرض کا حال لکھو خدا کری تپ جاتی رہی ہو تندرستی
حاصل ہو گئی ہو میر صاحب کہتی ہین تندرستی ہزار نعمت ہی ہای شیخ [illegible]
مرزا قربانعلی بیگ سالک نے کیا خوب بہم پہنچایا ہی مجکو بہت پسند آیا ہی
نظم تنگدستی اگر نہو سالک تندرستی ہزار نعمت ہی [illegible]
جناب میر سرفراز حسین صاحب کو دعا نانا میر افضل علی صاحب
کہان ہین حضرت یہان تو اس نام کا کوئی آدمی نہین ہی لکھہ بھیجنے
العصر کے بہائیکا نام میر نصیر صاحب تھا اونکو ہمارے دعا کہنا [illegible]
۲۶ ستمبر ۶۳ء

قبلۂ [illegible] در انفس من خاصہ [illegible]

[illegible] آتش [illegible]

[illegible] کا [illegible] نہیں [illegible] گئی [illegible] ہوے

[illegible] اگر [illegible] کبھی [illegible]

[illegible] ہو گئی [illegible]

ہو گیا [illegible] نیند [illegible] تم [illegible] کیا

کر رہی ہو [illegible] اور [illegible]

[illegible] میں

[illegible] ہیں تمکو [illegible] حکم

میرا نام فرد میں نہیں لکھا میں نے اسکا اپیل لفٹنٹ گورنر کے [illegible] کیا ہے

تم کبھی کیا جواب آتا ہے بہر حال جو کچھ ہوگا تمکو لکھا جائیگا [illegible]

[illegible] یوسف [illegible] بھی یوسف علی [illegible] یوسف [illegible]

[illegible] کیا کرتا ہے [illegible]

کہ میں [illegible] روپیہ مہینا بھیجا جاؤ [illegible] اسکا تقاضا بھی

رحیم بخش روز آتا ہے [illegible] کہتا ہے کہ [illegible] جاتا تو لکھو [illegible] جان [illegible]

بہو کی مرتی ہین خرچ جلد بہیجو ورنہ نالش کی جائیگی اور تمکو کو اقرار دیا جائیگا
بہرحال میر نصیر صاحب کو یہہ عبارت پڑہوا دینا میر سرفراز حسین کو
دعا میر نصیر الدین کو دعا حکیم میر اشرف علی کو دعا یوسف علی خان کشور کو
دعا سہ شنبہ ۱۱ دسمبر ۱۸۵۹ع

تمہ

برخوردار تمہارا خط پہنچا مگر یہہ غضب ہے کہ مین اوسکا جواب نہین
لکہہ سکتا اور وہ جواب طلب ہے جواب کیا لکہون قواعد عملداری کے
برہم ہو گئے نئی نئی دستورین شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب آتے ہین
فروری کو انبالے پہنچینگے اہل دہلی کی ملازمت وہان ہوگی اب یہہ آوازہ
بلند ہے کہ فروری مین کلکتے سے چلینگے بنارس الہ آباد اکبر آباد ہوتے ہوئے
مارچ کو انبالے پہنچینگے الور جے پور کوٹہ یہہ تین راجہ آگرہ پہنچ گئے وہان میر
فرش کیطرح بیکار دہرے ہوئے ہین الور کے راجہ گویا یوسف ہین اور اسکے
خریدار دوڑتے پہرتے ہین کوئی تشکر کوئی کرانچی ڈہونڈہ رہا ہے کوئی بادہ
جل نکلا کسی نے مانگی کاٹھ ہم پہنچایا یہہ سب قصے یکطرف اب سنتا ہون
کہ راجستان کی ایجنٹی نے سب رئیسونکو لکہا ہے کہ لارڈ صاحب تمہین بلاتے ہین

جسکا جی [illegible] جسکا جی بجا ہے نہ آوے اس تحریر کو دیکھ کر جو وعدہ کا ہو
[illegible] پریشان ہیں جو راہ میں ہیں وہ دین بھٹک رہی ہیں نہ آگے [illegible]
ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں جو اپنے مقام سے ہلی نہیں وہ اچھی رہی یہاں [illegible]
مہتاو تین برس گئے ہیں گیہوں چنا اچھا ہو گا نہ بیج کی امید [illegible]
پھر [illegible] سنا ہے تمام میں آدمی بہت سے ہی ہات پر ایک زخم
بائیں بازو پر ایک گھاؤ سیدھی ران پر ایک [illegible] اچھا [illegible]
باقی خیر و عافیت [illegible] از حسین صاحب [illegible]

جان غالب تمہارا خط پہنچا حقوق اصلاح کی نسبت [illegible]
وہ کہتے ہیں مصرع بجلی سی تیرہ شب میں رہتی گا ہو گیا ہے [illegible] میر صاحب
تمہیں شرم نہیں آتی [illegible] زبان یہ اہل دہلی کی زبان ہے [illegible]
ہیں یا اہل حرفہ ہیں یا خاکی ہیں یا پنجابی ہیں یا گوری ہیں [illegible]
کسی زبان کی تعریف کرتے ہو لکھنؤ کی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا [illegible]
تو جاتی رہی ہے ہاں ہر فن کے کامل لوگ موجود ہیں ....

....

اللہ اللہ دلی نہ رہی اور دلی والے اب تک یہاں کی زبان کو اچھا کہے
جاتے ہین واہ رے حسن اعتقاد اے بندہ خدا اردو بازار نہ رہا اردو
کہان دلی شہر نہین ہے کمپ ہے چھاونی ہے نہ قلعہ نہ شہر نہ بازار نہ نہر

جمعہ ۱۷ محرم ۲۶ جولائی سید صاحب کل پہر دن رہے تمہارا خط
پہنچا یقین ہے کہ اوسوقت یا شام کو میر سرفراز حسین تمہارے پاس
پہنچ گئے ہون حال سفر کا جو کچھ ہے اونکی زبانی سن لوگے مین
کیا لکھون مین نے بھی جو کچھ سنا ہے اونہین سے سنا ہے انکا مطلع
ناکام پھر آنا میری تمنا اور میرے مقصود کے خلاف ہے لیکن میرے
عقیدہ اور میرے تصور کے مطابق ہے مین جانتا تھا کہ وہان کچھ
نہوگا سو روپیہ کی زیرباری ناحق ہوئی چونکہ یہہ زیرباری میرے بہروسے
پہ ہوئی تو مجھ سے شرمساری ہے مین نے اسمین چھیاسٹھ برس مین
اسطرح کے شرمساریان اور روسیاہیان بہت اوٹھائی ہین
جہان ہزار داغ ہین ایک ہزار ایک یہی میر سرفراز حسین کے
زیرباری سے دل کڑھتا ہے

ایک مولوی صاحب میں شراب کے مذمت کر رہے تھے فرمانے لگے کہ
برائی اسمیں یہہ ہے کہ جب اسکو آدمی پیتے ہیں تو اونکی کوئی بھی دعا
نہیں قبول ہوتی میں نے کہا کہ مولوی صاحب ادمی شراب جب
پئیگا کہ تین باتیں اوسکو میسر ہوں گی پہلی تندرستی پہر دولتمندی
پہر خاطر جمعی سب آپ انصاف کریں جب یہہ تینوں چیزیں حاصل
اور موجود ہوں تو ایسی اور کیا چیز باقی رہی کہ انسان اوسکی تمنا
کرے اور اوسکے ملنے کے واسطے دعا کرے

سنہ ۵۷ میں جو میرٹھ سے باغی ترک سوار اور تلنگے دلی میں آئے
اور انہوں نے دلی شہر پر قبضہ کر لیا تو وہ مئی کی
۱۱ تاریخ تھی اور دو شنبہ کا دن تھا قبضہ انکا ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷
میں ختم ہوئی اور سب لوگ بھاگ گئے۔ وہ بھی دو شنبہ کا دن
تھا دو ایک دوستوں نے کہا کہ کیا اتفاق ہے دو شنبہ کو
دلی کا جانا اور پہر دو شنبہ کو ہاتھ آنا میں نے کہا کہ یہ ایک معمہ ہے

تم ہی اسکو یون تصور کرو کہ جب دن شکست کہائی اوسی دن
فتح پائی یعنے دیر نہ لگی ایک دن مین تدارک ہوگیا

نقل

غدر سے کچھ دنون مین مین نے شہر سے نکلا نہ پکڑا گیا نہ میرے روبکار
ہوئی جس مکان میں رہتا تہا وہین بدستور بیٹہا رہا اور بلیماران کے
محلے مین میرا گہر تہا ناگاہ ایک دن آٹھ سات گوری دیوار پر
چڑہ کے اوس خاص کوچے مین اوتر آئی جہان مین رہتا تہا اوس
کوچے مین بہمہ جہت ۵۰ یا ۶۰ آدمیوں کی بستی ہوگے سبکو گہیر لیا اور
اپنے ساتہ لیچلے مگر گرفتار نہین کیا اور کسیکو بجرمت نہین کیا
تہمی یاسی لیچلے راہ مین سارجن بہی آملا اوسنے مجہسے صاحب سلامت کے
بعد پوچہا کہ تم مسلمان ہو مین نے کہا کہ آدہا مسلمان ہون اوسنے
کہا ول صاحب آدہا مسلمان کیسا مین نے کہا شراب پیتا ہون
ہیم ہوک نہین کہاتا غرضکہ وہ مجہی کرنیل برون صاحب کے پاس لیگیا
وہ چاندنی چوک حافظ قطب الدین سوداگر کی حویلی مین اوترے
ہوئی تہی باہر نکل آئی اور میرا صرف نام پوچہا اور وطن سے نام

میں نے پوچھا اور بیٹے بھی پوچھا تم میرا شکر ادا کرو تا کہ خستہ و نزد حال
مجھے بھی تعجب کہ بہت ہی زمانہ با وقت یوخ ہی میں نے کہا آپ بیٹھیں تو
کہو ان کہا لیکن مجھکو میں نے کہا کہ تنگی دروازہ سے باہر آدمیکو ہی کو
نکلنے نہیں دیتی تھی ہیں کیونکر آتا اگر کچھ فریب کوئی بات بنا کر نکل جاتا
جب بلوچی کے قریب گیا بی کے نزدیک پہنچتا پہرہ والا گو کہ مجھ کو کہی بار
دیتا پھر بھی مانا کو تنگی بتھانی دیتی گوری کو پنہ مارتے میری صورت
کو دیکھتے ہی وہ میرا حال معلوم کیجئے ہو رہا ہوں بانوسی یا بچہ کہا تو سے
بہانہ کر آنی ہے کے لائق نہ مشورت کے قابل نالش دعا کرتا سو یہ بابانی
بھی وعدہ کرتا ہے ہاکر بنیل صاحب ہنسی دہ فرمایا اچھا تم اپنی گھر جاؤ اور سے
نوکروں اور اپنی علاقہ داروں کو بسا تھکے لیجاؤ باقی اہل محلہ سے غرض
بہر گہ میں خدا کا شکر بجا لایا بعد رکھ بنیل ہر کم نصاحت کو دعا دیتا ہوا
اپنی گھر لیا

ہی کچھ ایسی ہی بات جب ہوتی ہوں ورنہ کیا بات کرہتین آسیتی

شعر

مین بہی منہہ مین زبان رکہتا ہون ؛ کاش پوچہو کہ مدعا کیا ہے

قطعہ

پہر کہلا ہے در عدالت ناز ؛ گرم بازار فوجداری ہے

ہو رہا ہی جہان مین اندہیر ؛ زلف کی پہر سرشتہ داری ہے

پہر دیا پارۂ جگر نے سوال ؛ ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پہر ہوئی ہین گواہ عشق طلب ؛ اشکباری کا حکم جاری ہے

دل و مژگان کا جو مقدمہ تہا ؛ آج پہر اوسکی روبکاری ہے

شعر

بوسہ دیتی نہین اور دل پہ ہے ہر لحظہ نگاہ ؛ جی مین کہتے ہین کہ مفت آئی تو مال اچہا ہے

شعر

اونکی دیکہی سی جو آجاتی ہی رونق منہہ پر ؛ وہ سمجہتی ہین کہ بیمار کا حال اچہا ہے

شعر

پیون شراب اگر خم بہی دیکہ لون دو چار ؛ یہ شیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

شعر

میری قسمت مین غم گر اتنا تہا ؛ دل بہی یارب کئی دئی ہوتے

شعر

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ۔ ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

شعر

منحصر مرنے پہ ہو جسکی امید ۔ ناامیدی اوسکی دیکھا چاہیے

شعر

بلا دے اوک سے ساقی جو ہمسے نفرت ہے ۔ پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

شعر

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے ۔ رہنے دو ابھی ساغر و مینا میرے آگے

شعر

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند ۔ کسکی حاجت روا کرے کوئی

شعر

بھولی بہار میں سیر گلستاں کی ہمدمو ۔ کیونکر کہیں کہ ہونا ہی تھی بہار کے

شعر

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے ۔ ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

شعر

واعظ نہ تم پیو نہ کسیکو پلا سکو ۔ کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کے

مجا

کسکی دل میں سمائی ہیگا تیری جو تو راضی ہوا ؛ مجھ پہ گویا ایک زمانہ مہربان ہو گیا

شعر

رات دن گردش مین ہین سات آسمان ؛ ہو رہیگا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

شعر

کہتی ہین جب رہی نہ مجھی طاقت سخن ؛ جانوں کسیکی دلکی مین کیونکر کہی بغیر

شعر

بیٹھین ہی یا کچھ نہین ہی ہمارے گھر نہ ہم ؛ سر جائیگا نہ ہی نہ زمین پر کہی بغیر

شعر

ہم نی مانا کہ تغافل نہ کروگی لیکن ؛ خاک ہو جائینگی ہم تمکو خبر ہونی تک

شعر

قاصد کی آتی آتی خط ایک اور لکھ رکھون ؛ مین جانتا ہون جو وہ لکھینگی جواب مین

شعر

وہ آئی گہر مین ہماری خدا کی قدرت ہے ؛ کبہی ہم اونکو کبہی اپنی گہر کو دیکہتی ہین

شعر

رنج سی خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج ؛ مشکلین مجہ پر پڑین اتنی کہ آسان ہو گئین

شعر

سیکھی ہیں مہ رخوں کی لیے ہم مصوری　　تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

شعر

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا　　بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں

شعر

چسپاں ہیں کر دیتے ہیں جو کہ دیے مرے　　کہنا ہی کیا ہے تم کو بدنی نہیں دیتے

شعر

ساقی گری کی شرم کرو آج ورنہ ہم　　ہر شب پیا ہی کرتے ہیں مے جس قدر ملے

خاتمہ

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ یہ مجموعہ مختصر تمام ہوا اور جناب باری سے یہ دعا
مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میری مربی اور محسن کے پسند آئی تمنی جانا کہ میرے
مربی اور محسن کون ہیں وہ کہ جنکی ہدایت کا شکر گزار اور عنایت کا
امیدوار ہوں جب نام نامی انکا دیباچہ کتاب میں مرقوم اور عالم
میں مشہور ہی ہے تو بار بار حضرت کا نام لینا بے ادبی ہے سوا اسکے خاتمہ
میں یہ شعر لکھدینا ضرور ہے

جسمیں کہ ہیں ہی جگر تیر حوادث کا نشانہ　　نعمت کہ گیا آگے زمانہ بیان ہوا ہے

مقالاتِ ممتاز

ممتاز دانشور ڈاکٹر ممتاز حسن کے مقالات کا مجموعہ

مرتبہ

شان الحق حقی

اردو ادب، عالمی ادب، تعلیم و ثقافت اور اقبالیات کے موضوع پر چھیالیس مقالات کا مجموعہ۔ اِس میں قائد اعظم، علاّمہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، ملک الشعرا بہار اور بعض دیگر اکابر کے شخصی خاکے بھی شامل ہیں۔

☆ صفحات ۴۷۲ ☆ قیمت ایک سو پچاس روپے

ادارۂ یادگارِ غالب

کراچی۔ ۷۴۶۰۰

غالب کی اردو نثر

اور

دوسرے مضامین

مولانا حامد حسن قادری

مولانا حامد حسن قادری ہمارے ادب کا ایک بہت بڑا نام ہے۔ انھوں نے نصف صدی سے زیادہ عرصے تک اردو زبان و ادب کی جو خدمت کی ہے وہ ہماری ادبی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ وہ بیک وقت بلند پایہ محقق، نقاد، ادبی مورخ، شاعر، تاریخ گو، مترجم اور مکتوب نگار تھے۔ ان کی ادبی یادگاروں میں "داستانِ تاریخ اردو" اپنی نوعیت کی بے مثال کتاب ہے۔ اردو نثر کی یہ تاریخ بلا اردو کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

غالب بھی مولانا کی دلچسپی کا ایک خاص موضوع ہے۔ لیکن اس موضوع سے متعلق ان کی تحریریں مختلف کتابوں اور رسالوں میں بکھری ہوئی ہیں اور کبھی کتابی صورت میں یک جا نہیں کی گئیں۔ ادارہ یادگار غالب کی درخواست پر مولانا کے فرزند ڈاکٹر خالد حسن قادری نے ان تحریروں کو مرتب فرما دیا ہے اور یہ پہلی بار کتابی صورت میں شائع ہو رہی ہیں۔

☆ صفحات: ۲۰۰ ☆ قیمت : ایک سو پچاس روپے

ادارہ یادگار غالب

کراچی

یادگارِ غالبؔ

مولانا الطاف حسین حالی

''یادگارِ غالبؔ'' اردو زبان کی زندہ جاوید کتابوں میں سے ہے۔ اس کا شمار اردو کے ادب عالیہ میں ہوتا ہے۔ غالب شناسی کا نقطۂ آغاز بھی یہی ہے۔ یہ غالب پر پہلی جامع کتاب ہی نہیں، غالبیات کے موضوع پر اب تک لکھی گئی سیکڑوں کتابوں میں گلِ سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا حالیؔ شاعری میں غالب کے شاگرد تھے اور اُن سے ذاتی تعلقات کی بنا پر اُن کی سوانح عمری لکھنے کے ہر لحاظ سے اہل تھے۔ لیکن یادگارِ غالب صرف سوانح عمری نہیں ہے، غالب کے اردو فارسی کلام نظم و نثر کا پہلا مبسوط جائزہ بھی ہے۔

یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۸۹۷ء میں جب غالب کی پیدائش کو پورے سو سال گزر چکے تھے، نامی پریس کانپور سے شائع ہوئی تھی۔ زیرِ نظر ایڈیشن، اسی پہلے ایڈیشن کی عکسی بازیافت ہے جو غالب کے دوصد سالہ یوم پیدائش پر شائع کیا گیا ہے۔ گویا یہ ''یادگارِ غالب'' کا بھی صدی ایڈیشن ہے۔

☆ صفحات: ۴۵۶ ☆ قیمت: دوسو روپے

ادارۂ یادگارِ غالب

کراچی۔ ۷۴۶۰۰

انشاے غالب

''صاحبان تازہ وارد ولایت'' کی نصابی ضروریات کے لیے غالب نے اپنے کلام نظم ونثر کا ایک انتخاب ۱۸۶۶ء یا اس سے ایک آدھ برس پہلے مرتب کیا تھا اور اُس کا ایک نسخہ اپنی نگرانی میں کتابت کرایا تھا۔ یہ قلمی نسخہ مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا ڈاکٹر عبدالستار صدیقی تک پہنچا۔ انھوں نے اس کا متن مرتب کیا اور حواشی لکھے۔ مقدمہ لکھنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ وہ بیمار ہوئے۔ اس کے بعد مالک رام نے اس پر مقدمہ لکھا اور مزید حواشی قلم بند کیے۔ مگر اشاعت کی صورت پھر بھی پیدا نہ ہوئی۔ بالآخر اس سارے لوازمے کو رشید حسن خاں نے مرتب کیا اور عرضِ مرتب کے اضافے کے ساتھ ۱۹۹۴ء میں ''انشاے غالب'' کے نام سے شائع کیا۔ کتاب کی اشاعت کے بعد خان صاحب کو اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل ہوئیں اور انھوں نے ''عرض مرتب'' بہت سے اضافوں کے ساتھ از سر نو لکھی اور کتاب کا نیا ایڈیشن تیار کیا۔ یہی ایڈیشن پہلی مرتبہ ادارۂ یادگار غالب کراچی کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔

بقول مالک رام: ''اس کتاب کی خاص اہمیت یہ ہے کہ خطوط غالب کا پہلا مجموعہ ہے اور وہ بھی خود غالب کا مرتب کردہ۔ عود ہندی اور اردوے معلی دونوں متداول مجموعے بہت بعد ۱۸۶۸ء اور ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئے''۔

اِس ایڈیشن کی یہ اہمیت بھی ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین میں اردو کے تین ممتاز ترین محقق اور دانشور' ڈاکٹر عبدالستار صدیقی' مالک رام اور رشید حسن خاں شریک ہیں۔

کتاب میں اصل مخطوطے کا عکس بھی شامل ہے۔